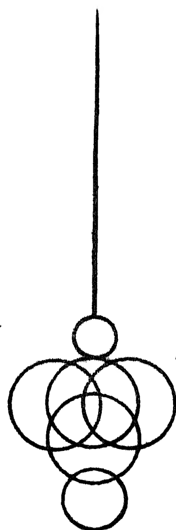
تصویرِ حیات



محمد بشیر الدین احمد امجد

سنہ اشاعت مئی ۱۹۹۳ء

باراول ۵۰۰ (پانچسو)

ترتیب وتزئین جَناب خوَاجہ شوق صَاحب

کتابت ضَمیرُالدّین نِظامی صَاحب

رِیاض خوشنویس

طباعت اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حَیدرآباد

سرورق ریاض خوشنویس

طباعت سرورق نند نی آرٹ پریس رام کوٹ

قیمت ۵۰ روپیے

ناشر مُحَمد ظہیرُالدّین احمَد بی۔ ایس سی



ملنے کے پتے

5-7-237

○ بمکانِ بشیرُ امجد نمبر 5-7-284/E
نزد ڈاکٹر ایم اے غنی کلینک چارقندیل آغاپورہ حیدرآباد

○ عَظیم منشن 9-4-86/77 سالار جنگ کالونی حیدآباد
فون : 253034

○ بلقیس مَنزل مکان نمبر 280 2 اسپیشل اے کلاس
آغاپورہ نزد چارقندیل حیدآباد فون : 551412

○ حُسامی بکڈپو مچھلی کمان حَیدرآباد



محمد بشیر الدین احمد امجدؒ

روش اپنی امجدؔ نے بدلی نہیں
کئی لوگ چہرے بدلتے رہے

اِنتساب

میں اپنی یہ ادبی کاوشیں
اپنے فرزندانِ دلبند
محمد ظہیر الدین احمد
محمد فرید الدین احمد
محمد حبیب الدین احمد فاروق
کے نام معنون کرتا ہوں جو
میری متاعِ حیات ہیں

بشیر امجد

ترتیب و تزئین

تخلیقات

اپنی بات ــــــــ

میرا نام محمد بشیر الدین احمد ہے۔ امجد تخلص اور وطن محبوب نگر۔

زمانۂ طالب علمی میں ہی گو میری شاعری کا آغاز ہوا لیکن قیامِ محبوب نگر کے دوران مجھ میں نہ صرف روایتی مضامین میں شعر گوئی کا سلیقہ آگیا بلکہ وہاں کی ادبی فضا نے میری شعری صلاحیتوں کو نئی نئی منزلوں سے روشناس کرایا اور میں خود کو ایک مکمل شاعر سمجھنے لگا۔

جب میں نے عملی دنیا میں قدم رکھا تو زندگی کی کشمکش سے دوچار ہونا پڑا مطالعہ کی جگہ مشاہدہ نے لے لی۔ روزمرّہ کے تلخ تجربات اور کشمکشِ حیات نے نئے قسم کے افکارات کو جنم دیا۔ حالات کے ذریعے پیدا ہونے والے افکار و نظریات میرے قلب پر اثر انداز ہونے لگے اور میں زندگی کے حقائق کو شعری جامہ پہناتا رہا۔ حضرت جگرؔ مرادآبادی نے جس دل پذیر اسلوبِ بیان سے مجھے روشناس کیا تھا اور فنِ شعر کی باریکیاں سمجھائی تھیں ان پر کیا حقہٗ عمل کرنے لگا۔ تہذیبِ سخن کے شعور اور زندگی کی سچائیوں کے عرفان نے میرے شعورِ حقیقت کو پختگی بخشی اور میں محبوب نگر کے ہر مشاعرے میں شریک ہو کر اپنے کلام کو صاحبانِ ادب کے سامنے پیش کر کے روز بروز مقبول ہوتا گیا۔

محبوب نگر سے میری حیدرآباد کی منتقلی نے مجھے نئے تصورِ حیات اور فکری بلندیوں سے واقفیت کا موقع مہیا کیا۔ یہاں آنے کے بعد سے رنگِ سخن اور نکھرنے لگا۔ حیدرآباد کی زندگی کے نئے تجربات اور مشاہدات نے میرے کلام میں سلیقہ مندی اور فنکارانہ صلاحیتوں کا اضافہ کیا۔ میرے ذہنی ارتعاش، دل کی خلش اور شدتِ احساسات کو میں پُرخلوص اعتماد

کے ساتھ اپنی غزلوں میں پیش کرتا رہا۔ میرا کلام جگ بیتی نہیں آپ بیتی ہے۔ نیز خارجی حالات کی لہروں نے بھی میری لبیت کو فروزاں کیا اور اس طرح میرے اشعار میں ہمہ گیریت نمایاں ہونے لگی اور میں اپنی واردات و کیفیاتِ قلبی کو روانی کے ساتھ غزل کے سانچوں میں ڈھالتا گیا۔ میرے اشعار میں شعورِ زیست کی فراوانی اور کیفیت اثر آفرینی پیدا ہوتی گئی۔

حیدرآباد کے کئی مشاعروں میں، میں نے شرکت کی اور اُستاداتِ فن خصوصاً جناب خواجہ شوقؔ صاحب کے فیض سے سرفراز ہوا۔ ریڈیو اور ٹی۔ وی۔ پر بھی میں نے اپنے کلام کو صاحبانِ ذوق کے سامنے پیش کیا۔

تصویرِ حیات میرا دوسرا مجموعۂ کلام ہے جس میں پہلے مجموعۂ کلام "رنگِ حیات" کے بعد کے کلام کے علاوہ ایسی غزلیں شامل ہیں جو پہلے مجموعہ میں شریک نہ کی گئی تھیں۔ اس مجموعہ کی بعض تخلیقات ادبی رسائل اور روزنامہ "سیاست" میں شائع ہو چکی ہیں۔

چونکہ "عمر گذری ہے اِسی دشت کی سیاحی میں" اسلئے اپنی تخلیقات کو دو کتابی صورتوں میں بطورِ یادگار پیش کر دیا۔

آخر میں اُن تمام اصحاب کا فرداً فرداً شکرگزار ہوں جنھوں نے اس سلسلے میں ہر طرح میرا ہاتھ بٹایا۔ فقط

محمد بشیر الدین احمد امجدؔ
ریٹائرڈ سکریٹری مارکٹنگ ڈیپارٹمنٹ
قریب چار قندیل (آغاپورہ)
ڈاکٹر یم۔ اے۔ غنی کلینک مکان نمبر 5-7-284/E

بشیر احمد کی شاعری ـــــ ایک تاثر

فکر و فن کے راستوں کا سفر راہی کے عزم و ارادہ اور اُس کی صلاحیتوں کا آئینہ دار ہوتا ہے، قدم قدم آگے بڑھتا ہوا راہی، راہ کی الجھنوں اور پیچ در پیچ آنے والے مسائل کو جس حد تک اپنی ذات میں سمو لیتا ہے۔ اُسی حد تک وہ لفظوں کے سہارے ان کا اظہار کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ اِسی لئے شاعری اور شاعر کی ذات کا بڑا گہرا ربط ہوتا ہے۔ کبھی یوں ہوتا ہے کہ شاعری، شاعر کا پیکر ابھارتی ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ شاعر کی ذات کا عرفان اُس کے اشعار میں معنی اور وسعت بخشتا ہے۔

میرے اپنے خیال میں بشیر احمد صاحب کی شاعری کو اُن کی شخصیت کے پس منظر میں دیکھنا اُن کی شعری صلاحیتوں کے سمجھنے میں سود مند ہے۔ وہ آج کے انسان ہیں، لیکن کل کی تہذیب اُن کی شخصیت سے ٹوٹ ٹوٹ کر برستی ہے۔ سُرخ و سفید چہرہ، متوازن جسم، روشن آنکھیں اور ان سب کے ساتھ ساتھ نفاست پسندی ایک ایسا پیکر بناتی ہے جس سے کوئی بھی دیکھنے اور ملنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ ان کی شخصیت سے اُن کی شاعری کا ربط یوں ہے کہ اُن کی شاعری بھی اِسی نفاست پسندی کی آئینہ دار ہے۔ آپ اُن کی غزلوں کو پڑھیئے نہ آپ کو کہیں الجھنیں ہوگی، نہ آپ شعر پڑھ کر اُس کو سمجھنے کے لئے حیران و پریشان ہوں گے۔ صاف صاف لفظوں میں کھُلی کھُلی باتیں کرنے کا فن بشیر احمد نے اپنایا ہے۔ ادب کی دنیا کے صاحبانِ فکر و نظر ایسی شاعری کو روایت پسندی کا نام دیتے ہیں۔

یوں ادب کو خانوں میں تقسیم کرنے کے لئے چاہے کوئی بھی اصطلاح استعمال کی جائے لیکن بات یہ ہے کہ ادب اور خاص طور سے شاعری ایک مسلسل بہتے ہوئے دریا کا دھارا، جیسے بیچ سے کاٹ کر تقسیم کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور پھر جہاں شاعر کو خود ہی ماضی کی روایات سے پیار ہو تو اس کی شاعری کو اگر روایتی شاعری کہا بھی جائے تو کیا نقصان ہے۔ آپ بشیر آجد کی شاعری پڑھیئے۔ ہلکی پھلکی زبان میں رواں دواں شعر ملیں گے جو ایک طرف ماضی کی روایات سے جڑے ہیں تو دوسری طرف حال کے مسائل سے مربوط ہیں۔

میں اس مجموعے سے جانے کتنے شعر اپنے خیال کی تصدیق میں پیش کر سکتا ہوں۔ لیکن میں ارادتاً ایسا نہیں کر رہا ہوں تاکہ میرے انتخاب کا اثر مجموعے کے پڑھنے سے پہلے ہی آپ کے ذہن پر مرتب نہ ہو۔

میں اس کا یقین رکھتا ہوں کہ آپ بھی اس مجموعہ سے اُتنے ہی محظوظ ہوں گے جتنا میں ہوا ہوں۔ فقط

ڈاکٹر صادق نقوی ایم۔اے، ایم۔فل۔پی۔ایچ۔ڈی
ڈیپارٹمنٹ آف ہسٹری۔ عثمانیہ یونیورسٹی۔

مکان نمبر 361/16 - 8 - 22، دارالشفاء۔
حیدرآباد ۵۰۰۰۲۴،

تعارف

محمد بشیر الدین امجدؔ میرے چھوٹے بھائی ہیں۔ لڑکپن سے ہی وہ خاندانی ادبی ماحول سے متاثر ہوتے رہے۔ کم سنی میں ہی انھوں نے شعر گوئی کا آغاز کیا اور مشاعروں میں مدعو ہونے لگے۔ ابھی وہ آٹھویں جماعت میں تھے کہ ایک مشاعرہ میں شہنشاہ تغزل جگرؔ مرادآبادی سے متعارف ہوئے۔ پھر دنوں میں کچھ ایسا ربط بڑھا کہ دوسرے دن جگرؔ نے نہ صرف انہیں شرف میزبانی سے نوازا بلکہ اپنے مربیانہ، مشفقانہ اور استادانہ انداز میں اصناف شاعری کے سارے باب ان کے سامنے وا کر دیئے۔ شاعرانہ نزاکتوں اور لطافتوں سے انہیں واقف کرایا اور کچھ اس طرح ہمت افزائی کی کہ امجدؔ نے نئی طرز ادا، نیا اسلوب بیان اور نئے طریقۂ اظہار کو اختیار کر کے اپنے کلام کو دل پذیر و دل آویز کر دیا۔ ان کی شاعرانہ صلاحیتیں اُجاگر ہونے لگیں اور اپنی کم عمری کے باوجود وہ فن شعر گوئی میں روز بروز ترقی کے مدارج طے کرتے گئے۔ انھیں نعت گوئی سے بھی شغف رہا مگر بنیادی طور پر وہ غزل گو شاعر ہی بنے رہے۔

امجدؔ کا لہجہ خوش کن، زبان آسان اور انداز منفرد ہے، ان کے کلام میں شوخی بھی ہے اور لطافت بھی، سوز و گداز بھی ہے اور ذاتی تاثرات کے نقش و نگار بھی، غمِ دوراں کا تذکرہ ہے تو غمِ جاناں کا سلسلہ بھی۔

زندگی کے نشیب و فراز نے ان کی شاعری کو ایک نئے رنگ سے آشنا کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی شاعری اور زندگی میں کافی مطابقت پائی جاتی ہے۔ جوں جوں وہ دنیا کے حادثات اور غم و الم کی پرچھائیوں سے روشناس ہوتے گئے۔ ان کے نقوش اور تاثرات کو انھوں نے شعری جامہ پہنا ڈالا۔ جہاں وہ گرد و پیش کے حالات سے اپنے شدت احساس کو نمایاں کرتے

رہے وہیں دل کے پوشیدہ جذبات کو عیاں کر کے دکھاتے رہے۔ ان کا کلام جذباتی احساسات کا آئینہ دار ہے۔ شعورِ زیست کے ساتھ گرمئ حیات کے اشارے پُرسوز کیفیت پیدا کرتے لگتے ہیں۔

کہیں ان کے کلام میں دلبری و دلداری کا ذکر ملتا ہے تو کہیں تشنگی و آسودگی کا کرب و اضطراب۔ نیز رومانی اور جمالیاتی پسِ منظر کو کچھ اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ ان کے کلام کے پڑھنے والوں اور سننے والوں کے اپنے دل دھڑکنے لگیں۔

امجدؔ فطری شاعر ہونے کے سبب زود گو بھی ہیں اور خوش گو بھی۔ امید کرتا ہوں کہ وہ ادبی و شعری دنیا میں کافی مقبول ہوں گے۔ ان کا پہلا مجموعہ کلام "رنگِ حیات" جولائی ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا۔ مجھے قوی توقع ہے کہ یہ دوسرا مجموعہ کلام بھی ادبی حلقوں میں پسندیدہ نظر سے دیکھا جائے گا۔

محمد فصیح الدین احمد
سینیر جج

'عظیم مینشن' مکان نمبر 77/80-4-9، سالار جنگ کالونی۔ حیدر آباد۔

فون نمبر: 253034

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد

جُنبشِ قلم نے کی ہے فقط تیرے نام سے
طاقت مجھے ملی ہے فقط تیرے نام سے

یہ چاند کی ضیاء، یہ ستاروں کی آب و تاب
ہر اک میں روشنی ہے فقط تیرے نام سے

علم و ہنر میں جو بھی میری خامیاں ہیں
پوری ہوئی کمی ہے فقط تیرے نام سے

تیرا ہی مجھ پہ رحم و کرم اور فضل ہے
سرسبز زندگی ہے فقط تیرے نام سے

وردِ زباں ہے نام ترا، ہر گھڑی ہر آن
آفت مری ٹلی ہے فقط تیرے نام سے

تیرے بغیر زیست کا امکاں محال ہے
ہر سانس چل رہی ہے فقط تیرے نام سے

مایوسیوں میں جس نے بھی آواز دی تجھے
اُس کو خوشی ملی ہے فقط تیرے نام سے

دشت و جبل یہ گلشن و افلاک بحر و بر
ہر اِک کی زندگی ہے فقط تیرے نام سے

تیری عنایتوں ہی سے آمجد ہے شادماں
عزت اُسے ملی ہے فقط تیرے نام سے

حرم شریف

اللہ کے گھر کی بھی عجب شان ہے واللہ
انوار کی برسات ہر اِک آن ہے واللہ

مرکز تو یہی ایک ہے مومن کے دِلوں کا
ہے ہر کس و ناکس کی یہی جان ہے واللہ

یہ گھر ہے خُدا کا، جسے سب کہتے ہیں کعبہ
ہم سب کا یہی تو یقیں ایمان ہے واللہ

اسلام کے ارکان میں اک فرض ہی حج بھی
کرلوں اسے پورا مَیں یہ ارمان ہے واللہ

تم عمر میں اِک بار چلے آؤ کم از کم
رحمت یہاں بٹتی ہے بڑی آن ہے واللہ

جب فضل ہوا تیرا تو امجد چلا آیا
کیا شانِ کریمی ہے یہ کیا شان ہے واللہ

نعتِ شریف



ہے پیارے نبیؐ کا یہ پیارا مدینہ — محمدؐ کے ہم ہیں ہمارا مدینہ

تڑپ اب میرے دِل کی بجھتی نہیں ہے — بُلالو مجھے بھی خدارا مدینہ

یہیں آ کے پائی اماں ہر کسی نے — بنا ہے ہر اک کا سہارا مدینہ

عجب بیخودی ہے عجب بے کلی ہے — جنوں میں ہر اک نے پکارا مدینہ

کھُلی آنکھ میری تو کیا دیکھتا ہوں — نظر میں بسا ہے دل آرا مدینہ

بجز اس کے کوئی نہیں راہ مجد

مصیبت میں سب کا سہارا مدینہ

نعتِ شریف



ہر اک سانس یادِ نبیؐ میں رواں ہے
زباں ہے کہ ہر وقت رطب اللساں ہے

برستے ہیں رحمت کے انوار ہر سو
دلوں میں ہر اک کے، جو دردِ نہاں ہے

جمالِ نبیؐ کا نظارا ہو جس کو
نصیب اس کو سرمایۂ دو جہاں ہے

ہوا سامنا سبز جالی کا جس کو
نہ پوچھو کہ اس کا ستارا کہاں ہے

حبیبِ خداؐ ہیں جہاں جلوہ فرما
یہی وہ جگہ ہے یہی وہ مکاں ہے

قدم جس نے رکھا دیارِ نبیؐ میں
مقدر میں اس کے زمیں آسماں ہے

عجب شان ہے اُن کے روضہ کی امجد
ہزاروں کا مجمع رواں ہر دواں ہے

نعت شریف

بتاؤں میں کیسے کہ کیا دیکھتا ہوں
بشکلِ محمدؐ خدا دیکھتا ہوں

گذر میری یارب ہو سوئے مدینہ
تصوّر میں طیبہ سدا دیکھتا ہوں

تڑپ میرے دل کی بجھے گی نہ ہر گز
اسی دَر پہ دِل کی دوا دیکھتا ہوں

نظاروں کی کوئی نہیں مجھ کو حاجت
جمالِ رسولِ خدا دیکھتا ہوں

رہِ گمرہی پر بھٹکتی ہے اُمّت
بتا میرے مالک یہ کیا دیکھتا ہوں

نظر جب سے ہے سبز جالی پہ امجد
ہر اک روز، روزِ جزا دیکھتا ہوں

نعتِ شریف



خُدا جس پہ شیدا مدینے میں ہوگا — محمدؐ وہ پیارا مدینے میں ہوگا
نہیں کوئی تسکیں کا ساماں کہیں بھی — دِلوں کا مَداوا مدینے میں ہوگا
نظر کیوں تمھاری پریشاں ہے اِتنی — چلو اپنا مولیٰ مدینے میں ہوگا
بسالوں نظر میں ہری جالیوں کو — اَب آنکھوں کا سُرمہ مدینے میں ہوگا
نبیؐ کی محبّت کو کیا پوچھتے ہو — شفاعت کا نقشہ مدینے میں ہوگا
نہ گھبراؤ اے مومنو! آفتوں سے — غموں کا اِزالہ مدینے میں ہوگا

فقط یادِ طیبہ ستاتی ہے امجدؔ
جُنوں کا یہ سودا مدینے میں ہوگا

نعتِ شریف



غریبوں کے غم خوار تم ہو محمدؐ
سکونِ دلِ زار تم ہو محمدؐ

دِکھاؤ زمانے کو رستہ خدا کا
دو عالم کے سرکار تم ہو محمدؐ

جہاں سے مٹایا ہے ظلمت کو تم نے
کہ رحمت کے مینار تم ہو محمدؐ

تمہیں نورِ دیں ہو تمہیں نورِ دنیا
خدائی کے انوار تم ہو محمدؐ

ہے تم سے ہی باقی دو عالم کی رونق
دو عالم کے مختار تم ہو محمدؐ

بلایا خدا نے سرِ عرش تم کو
اُسی کے بھی حقدار تم ہو محمدؐ

تڑپتا ہے امجد بلا لو اسے بھی
کہ نبیوں کے سردار تم ہو محمدؐ

غزلیات

عشقِ بُتاں نے زندگی اپنی سنوار دی
غم دے کے کائیناتِ دل و جاں نکھار دی

صحرا کی پُر سکون فضا خوب تھی مگر
آواز کس نے آج مجھے بار بار دی

دُنیا کے رنگ روپ پہ مرنے سے فائدہ
جب زندگی ہی تُو نے ہمیں مستعار دی

یا ربّ تری عطا کا نہیں ہے کوئی حساب
نعمت جو تو نے دی ہے مجھے بیشمار دی

ہر حال مجھکو پینا تھا پی کر دِکھا دیا
ساقی تری نگاہ نے مجھکو اُدھار دی

پھولوں کی بات کیا کہ ہیں کانٹے بھی غمزدہ
پروردِگار تُو نے یہ کیسی بہار دی

آمجد یہہ کیا راز ہے کس کا ہے یہ کرم
کس نے قلم میں طاقتِ بے اختیار دی



ارمان کوئی نہیں ہے، دل اور جگر نہیں ہے
اک زندہ لاش ہوں میں، کوئی بھی گھر نہیں ہے

ہے یہ نظامِ قدرت مایوس تم نہ ہونا
کتنی طویل شب ہے جس کی سحر نہیں ہے

تم اپنے گیسوؤں کو اُلجھا رہے ہو پھر کیوں
کچھ ایسا رنگ بھر دو جس میں ضرر نہیں ہے

اُمید رکھ کے میں نے پیغام اُن کو بھیجا
خط کا پتہ نہیں ہے خود نامہ بر نہیں ہے

گُلشن پرست ہوں میں گُل سے ہے مجھکو رغبت
حائل جو خار ہوں گے کچھ اُن کا ڈر نہیں ہے

نظریں چُرا کے اُس نے دیکھا ہے میری جانب
کس نے کہا کہ اے دِل اُس کو خبر نہیں ہے

اِک سنگدِل سے امجد کی دوستی ہے تم نے
آہیں کرو کہ نالے اُس پہ اثر نہیں ہے

★



گرداب میں کشتی ہے، طوفاں کا نظارا ہے
ہو جائے کرم تیرا، اب دُور کنارا ہے

پاس اپنے بُلا لیتے، یا خود ہی چلے آتے
سوچا تو ذرا ہوتا، کِس دل نے پُکارا ہے

رفتارِ زمانہ نے وہ کھیل کھِلائے ہیں
جینا ہے بہت مشکل، مرنے کا نہ یارا ہے

گھنگور گھٹائیں ہیں، آنکھوں میں نمی سی ہے
وہ پھر بھی نہیں آئے، کیا حال ہمارا ہے

مجبور سدا کا ہے، مختار کہاں انساں
پھر تہمتِ مختاری، اب کیسے گوارا ہے

اب کیسے بیاں ہوگا، جو مجھ پہ گذرتی ہے
اللہ تری مرضی، اب تیرا سہارا ہے

اے کاش ترا وعدہ، پورا جو کبھی ہوتا
عاشق نترا تھک کر، دنیا سے سدھارا ہے

ہنس ہنس کے سہے ہم نے ہر ظلم و ستم ان کے
کیا گُزنے دل و جاں پر، جب ان کا اجارا ہے

سُنتے ہیں بہت شہرت امجد کی زمانے میں
جس سمت چلے جاؤ، اس کا ہی پکارا ہے



رودادِ غمِ عشق، سُنانا نہیں آیا
وہ آئے تو یاد اپنا، فسانا نہیں آیا

ہم کیسے کہیں دینے میں کوتاہی ہوئی ہے
شاید ہمیں خود ہاتھ، بڑھانا نہیں آیا

ہم آگ بُجھاتے رہے غیروں کے گھروں کی
خود دل میں لگی آگ بجھانا نہیں آیا

ملّاح ترا آج، بھرم ٹوٹ گیا ہے
طوفان سے کشتی کو بچانا نہیں آیا

ہم خود تو زمانے کے لیئے وقف ہوئے تھے
آفت جو پڑی ہم پہ زمانہ نہیں آیا

خود برق بڑے پیار سے آئی ہے مدد کو
جب ہم کو نشیمن ہی سجانا نہیں آیا

کیا بات ہے اس طرح چلا روٹھ کے کوئی
امجد تمہیں، ہمدم کو منانا نہیں آیا



درد رکھتے ہیں، دوا رکھتے ہیں
ماسوا، اس کے وہ کیا رکھتے ہیں

چھو کے ان کو چلی آجائے صبا
گھر کے ہر در کو کھلا رکھتے ہیں

ہم سے تھوڑی سی شناسائی ہے
رشتہ، وہ غیر سے کیا رکھتے ہیں

دل کے شعلوں کو بجھانے کے لئے
اپنے دامن کی ہوا رکھتے ہیں

جو بھی کرتے ہیں عنایت اُن کی
اُن کی ہر بات روا رکھتے ہیں

راز کو راز ہی رکھنے کے لئے
دل کے زخموں کو چھپا رکھتے ہیں

زندگی یوں ہی کٹی ہے امجد
اُن سے اُمیدِ وفا رکھتے ہیں



تمہیں کیا بتائیں کہ کیا ہو گیا
نگاہوں کا ملنا، بُرا ہو گیا

نشانہ لگایا تھا اُس نے مگر
ذرا تیر اُس کا خطا ہو گیا

کوئی بھی نظر اپنا آتا نہیں
مرا غم بھی حد سے سِوا ہو گیا

مسیحا کی کوئی ضرورت نہیں
چلو درد، خود ہی دوا ہو گیا

خدا ہی محافظ ہے کشتی کا اب
پریشان خود، ناخدا ہو گیا

چلو اُس نے دیکھا تو مڑ کر ہمیں
چلو پیار کا حق ادا ہو گیا

کسی آسرے کی ضرورت نہیں
مرا غم، مرا آسرا ہو گیا

نہیں دیکھا امجد نے اُس کو مگر
فقط نام پر ہی فدا ہو گیا



وفا سے بھی پیاری جفا ہے تمہاری
ہر اک سے نرالی ادا ہے تمہاری
سر دار مسرور ہوتا ہے کوئی
بہت خوب صورت سزا ہے تمہاری
تمہیں کیا بتاؤں کہ کیا ہو رہا ہے
مرے دل کے اندر صدا ہے تمہاری
تمنّا ہی باقی نہیں اس کو کوئی
جو گھائل نظر سے ہوا ہے تمہاری
اُسی کے تو منزل قدم چومتی ہے
تمنّا میں جو بھی چلا ہے تمہاری
زمانے میں بدنام، رُسوا ہوئے ہم
محبّت کا پھل یہ ملا ہے تمہاری
کسی نے نہ لُوٹا تھا امجد کو لیکن
وہ آکر گلی میں لُٹا ہے تمہاری



کہاں کی مسرت ہے غم ساتھ ہے
حیاتِ جہاں کیا ہے اک رات ہے

نہ غمخوار ہے اور نہ مونس کوئی
دکھاوے کی ظاہر میں ہر بات ہے

بہاروں میں بھی پھول کھلتے نہیں
یہی دورِ حاضر کی سوغات ہے

نچھاور ہے اُن پر سے جانِ عزیز
وہ آئیں مرے گھر تو کیا بات ہے

ذرا پوچھ لے، آکے امجدؔ سے تو
کہ وابستہ جس سے تیری ذات ہے



ہائے کیا مست یہ انگڑائی ہے
ہر نظر آپ پہ للچائی ہے

جانے کیوں مفت میں رسوائی ہے
کچھ عجب یہ ستم آرائی ہے

بے وفائی ہو مبارک تم کو
شبِ فرقت ہمیں راس آئی ہے

دیکھ کر ان کی سیہ زلفوں کو
پارساؤں کو بھی موت آئی ہے

اپنا پینے کا ارادہ ہی نہ تھا
جانے کیوں کالی گھٹا چھائی ہے

یہ تو رودادِ الم ہے اپنی
کیوں تری آنکھ بھی شرمائی ہے

دوستو اب میں کہاں ہوں تنہا
ان کا غم شاملِ تنہائی ہے



اُن کی نظروں سے نکل کر ہم نے
دل کے گوشہ میں جگہ پائی ہے
پی کے دو گھونٹ بہکنے والو
میکدے کی بڑی رسوائی ہے
جانے کیوں لوگ یہی کہتے ہیں
یہ تو امجد بڑا سودائی ہے



قطعہ

اب زمانے کی روش کو بدلنا چاہیئے
زندگی کو اک نئے سانچے میں ڈھلنا چاہیئے
وقت سے امجد تمہیں سمجھوتہ کرنا ہے اگر
مسکرا کر حادثوں کے ساتھ چلنا چاہیئے



اُن سے نظریں ملا کے دیکھ لیا
دل کو اپنے لٹا کے دیکھ لیا

وہ ادا، وہ حیا، وہ انگڑائی
حُسن کو آزما کے دیکھ لیا

چین دل کو مرے کبھی نہ مِلا
سوزشِ غم بڑھا کے دیکھ لیا

پارسائی کا جن کو دعویٰ تھا
اُن کو میخانہ لا کے دیکھ لیا

اُن کی اُلفت کے آزمانے کو
اپنا سب کچھ لٹا کے دیکھ لیا

اُن کی دُنیا سنوارنے کے لیئے
اپنی دُنیا مِٹا کے دیکھ لیا

برق کا پاس تھا بہت امجد
آشیاں بھی جلا کے دیکھ لیا



دل کے شیشے میں جو بال آتا ہے
جانے کیوں تیرا خیال آتا ہے

دیکھنے چاند کو میرے اکثر
آسماں پر بھی ہلال آتا ہے

جانے کیوں، زلفِ سیہ دیکھ کے اب
بادلوں کو بھی جلال آتا ہے

کیوں منوّر ہے شبِ غم اپنی
کون سا ماہ جمال آتا ہے

کس سلیقے سے وہ آتا ہے یہاں
تان کر زلف کا جال آتا ہے

دیکھ کر میری تباہی اکثر
اُن کے چہرہ پہ ملال آتا ہے

توبہ کے بعد بھی پھر سے امجد
تھوڑی پینے کا خیال آتا ہے



○

تِرا پیار ہی اب مِری زندگی ہے
تجھے یاد کرنا مِری بندگی ہے

زمانے کا کچھ خوف مجھ کو نہیں ہے
جو تو مِل گیا ہے تو پھر کیا کمی ہے

ہے دُشوار اب شیشۂ دِل بچانا
یہ سُنتے ہیں دِل آپ کا آہنی ہے

کہاں تک فریبِ محبّت ہو ہم سے
یہ دل کی لگی ہے یا اک دل لگی ہے

کبھی ظلم ڈھانا، کبھی دل جلانا
بتاؤ تمہاری یہ کیا بے رُخی ہے

تِری آنکھ سے پی کے ہوں مست ہر دم
یہی جام میرا، یہی میکشی ہے

یہ جینے کی حسرت نہیں ٹھیک امجد
کہ مر مر کے جینا بھی کوئی زندگی ہے



نہ جانے وہ کیوں مُسکرانے لگے ہیں
مری زیست پر پھر سے چھانے لگے ہیں

چمن میں خُدارا نہ آؤ کبھی تم
کہ غنچے بھی اب تھرتھرانے لگے ہیں

تعلق نہیں جب کوئی ان کو ہم سے
تو پھر کیوں ہمیں وہ ستانے لگے ہیں

ذرا آکے دیوانوں کا حال دیکھو
کہ چاہت میں آنکھیں بچھانے لگے ہیں

یہ ہے پیار کی انتہا ان کے شاید
کہ چلمن وہ دِل کی اُٹھانے لگے ہیں

مرے دل کا ہے امتحاں یہ سے شاید
کہ وہ پھر سے مجھے آزمانے لگے ہیں

چلے آئے وہ سامنے جو اچانک
تو امجد بھی اب لڑکھڑانے لگے ہیں



آہ جب بے اثر ہو گئی
زندگی مختصر ہو گئی

ہم سے ممکن نہ تھا دوستو
بات اُن سے مگر ہو گئی

گھُپ اندھیرے میں آپ آ گئے
جانے کیسے سحر ہو گئی

تنکے یکجا کئے تھے کہ بس
بجلیوں کو خبر ہو گئی

خستہ حالی پہ نازاں ہیں ہم
آنکھ کیوں اُن کی تر ہو گئی

درد و غم اور رنج و الم
زندگی یوں بسر ہو گئی

ہمسفر راہبر ہی تو تھا
راہ کیوں پُر خطر ہو گئی

کوئی سمجھائے امجد ہمیں
چاہ کیوں معتبر ہو گئی



کوئی بتلا دے فاصلہ کیا ہے
میری منزل کی اِنتہا کیا ہے

مَیں نے کی تھی دُعا تمہارے لئے
سامنے تم ہو تو دُعا کیا ہے

جان حاضر ہے، آپ کی خاطر
زندگی میں کوئی مزہ کیا ہے

چارہ گر کیوں نظر نہیں آتا
آخر اُس کو بھی اب ہوا کیا ہے

تم بھی پیتے ہو، ہم بھی پیتے ہیں
زاہدو، ہم سے پھر گلا کیا ہے

بدلے بدلے یہ کیسے تیور ہیں
جانے اب ان کو ہو گیا کیا ہے

پیار کرتا تھا، پیار کرتا ہوں
کوئی کہہ دے مری سزا کیا ہے

ہم تمہارے ہیں، تم ہمارے ہو
پیار کر لو تو پھر بُرا کیا ہے

آ رہے ہو، کہاں سے تم امجد • گھر سے دُور، اتنی میکدہ کیا ہے



سنبھل کر چلو تم زمانہ بُرا ہے
ہر اِک کی زباں پر فسانہ بُرا ہے

سُنا ہے کہ تھک کر بہت سو گیا ہے
اُٹھاؤ نہ اُس کو جگانا بُرا ہے

یہ دل بھی تمہارا، یہ جاں بھی تمہاری
بنا کر تم اپنا، گرانا بُرا ہے

کبھی ہم سے چھُپنا، کبھی روٹھ جانا
ستانا اور اِتنا ستانا بُرا ہے

اگر تم کو آنا ہے آ کر دِکھاؤ
ہمیشہ تمہارا بہانہ بُرا ہے

اگر یاد آؤں تو دِل میں بٹھا لو
مجھے یاد کر کے بھُلانا بُرا ہے

چلا آ گیا ہوں تو رہنے بھی دیجئے
بھری بزم سے یوں اُٹھانا بُرا ہے

سنبھالو بھی امجدؔ، ذرا اپنے دل کو
حسینوں کا ظالم نشانہ بُرا ہے



ہاتھوں سے شناسا کے، کچھ کام نہیں ہوتا
جو نفس کا بندہ ہے وہ رام نہیں ہوتا

چلتا ہے جو رہِ حق کا ناکام نہیں ہوتا
سر اپنا کٹاتا ہے بے دام نہیں ہوتا

پیاسے نہ پلٹتے گر، میخوار ترے در سے
ساقی ترا میخانہ بدنام نہیں ہوتا

دل دینے سے پہلے ہم کچھ غور بھی کر لیتے
ورنہ کبھی اپنا یہ انجام نہیں ہوتا

جو رنگ ہے صحبت کا دھل جائے یہ ممکن ہے
جو نقش ہے فطرت کا وہ خام نہیں ہوتا

ہر گام بلائیں ہیں، ہر لمحہ مصیبت ہے
پل بھر کے لیئے دل کو آرام نہیں ہوتا

وہ دور کریں تجھ کو، یا قرب میں لیں امجد
مخصوص جو بندہ ہے وہ عام نہیں ہوتا



نہ جانے یہ فرقت میں تنہائی کب تک
ہر اک گام پر اُن کی پرچھائی کب تک

اُدھر آپ کی کٹ رہی ہے مزے میں
جہاں میں ہماری یہ رسوائی کب تک

نہ جانے عنایت اِدھر اُن کی کب ہو
بجے گی مرے دِل کی شہنائی کب تک

زمانہ ہوا ترکِ اُلفت کو اپنے
رہے گی مگر یونہی رسوائی کب تک

یہ مانا کہ ہے غیر سے تم کو اُلفت
بھری بزم میں اپنی رسوائی کب تک

تمہارے کرم کا ہے محتاج امجد
کرو گے نہ اس کی پذیرائی کب تک



اِدھر چار اُن سے نظر ہوگئی
مگر دل کو اس کی خبر ہوگئی

شبِ غم بھی ایسی بسر ہوگئی
جلی شمع لیکن سحر ہوگئی

وہ آئے نہیں آخری سانس تک
دُعا اپنی کیوں بے اثر ہوگئی

نہ پوچھو مری زیست کا ماجرا
بہر حال اپنی گذر ہوگئی

وہ آئے چمن میں غضب ہوگیا
چمن کی فضا منتشر ہوگئی

زمانے میں چرچے نہ تھے پیار کے
کوئی ہم سے لغزش مگر ہوگئی

نظر اُن سے امجد جو اپنی ملی
زمانے کو اِس کی خبر ہوگئی



زیرِ لب مسکرائیے صاحب — بجلیاں کچھ گرائیے صاحب
تشنگی کو مٹائیے صاحب — کچھ نظر سے پلائیے صاحب
غیر سے راہ و رسم یہ کب تک — ہم کو بھی آزمائیے صاحب
زندگی کو سنوارنے کے لیئے — میرے گھر آپ آئیے صاحب
دوری کب تک رہے گی یہ آخر — کچھ قریب اور آئیے صاحب
شکوہ کرنے کے ہم نہیں عادی — بات کیا ہے بتائیے صاحب
دل کو حاصل ہو تقویت جس سے — ایسی باتیں سنائیے صاحب
تاکہ گزری بہار لوٹ آئے — پھر سے کچھ گل کھلائیے صاحب

غم زدہ ہے یہ آپ کا امجد
اس کو اپنا بنائیے صاحب



تِرے آستاں پہ جُھکی یہ جبیں ہے
میرے دِل کو تیرے کرم کا یقیں ہے
ذرا آپ آکر مرا حال دیکھیں
نہ دل کا مکاں ہے نہ کوئی مکیں ہے

فنا ہو گیا ہوں، میں چاہت میں کِس کی
جَوانی میری آج زیرِ زمیں ہے
ہر اِک گام پر جگمگاتے ہیں ذرّے
تِری رہگذر کتنی دِلکش حسیں ہے

جِسے ڈھونڈتا ہے تو صحرا بہ صحرا
جِسے ڈھونڈتا ہے، وہ دل کے قریں ہے
جو لے جائے اُلفت کی راہوں پہ مجھ کو
کوئی بھی نہیں ہے کوئی بھی نہیں ہے

یہ کیسا مقام محبّت ہے یارو،
مرا دِل کہیں ہے مری جاں کہیں ہے
جہاں پر اندھیروں کا ماتم ہے امجد
مرے دل کی ویران بستی وہیں ہے



نکلتا ہے اب دم ذرا دیکھنا
ہوئی شمع مدّھم ذرا دیکھنا

تمہارا تغافل، خدا کی قسم
جیئں یا مریں ہم ذرا دیکھنا

نہ جانے خوشی کس نے چھینی مری
یہ کس نے دیا غم ذرا دیکھنا

بھٹکتا کہاں ہے، یہ دل دوستو
کہاں ہو گیا ضم ذرا دیکھنا

بڑی کشمکش سے گذرتا ہوں میں
یہاں آ کے ہمدم ذرا دیکھنا

نظر تم نے پھیری غضب ہو گیا
نظاروں کا ماتم ذرا دیکھنا

تمہارے کرم سے تھی یہ زندگی
یہ پھر کیسے ہوا کم ذرا دیکھنا

زمانے نے کانٹے ہی کانٹے دیئے
مصیبت کا عالم ذرا دیکھنا

دوا بے اثر ہے دعا بے اثر
میرے دل کا ماتم ذرا دیکھنا

ملے گا نہ سایۂ تری زلف کا
تو مر جائیں گے ہم ذرا دیکھنا

جھکی ہے نظر اُن کی کیا بات ہے
مسرت ہے یا غم ذرا دیکھنا

چھلکتی ہے امجدؔ مری چشم نم
ہیں آنسو کہ شبنم ذرا دیکھنا



کسی کو تم اپنا بنانے سے پہلے
پیامِ محبت سُنانے سے پہلے

انھیں پاس اپنے بُلانے سے پہلے
وَفائے محبت جتانے سے پہلے

غریبوں کی حالت ذرا دیکھ لیتے
اَمیروں کی دُنیا بسانے سے پہلے

کبھی پوچھ بھی لیتے حالِ گلستاں
چمن میں ذرا آپ جانے سے پہلے

درِ یار پر ہم جبیں کو جُھکاتے
یہ دن زندگی کے گنوانے سے پہلے

کبھی زُہد والوں میں تعیّن کرتے
وہ زاہد کو میکش بنانے سے پہلے

ادا بجلیوں کی بھی وہ دیکھ لیتے
نیا اِک نشیمن بنانے سے پہلے

یہ اہلِ سیاست ذرا سوچ لیتے
نظامِ حکومت چلانے سے پہلے

کرم کچھ تو کرتے وہ اہلِ جہاں پر
خود آنچل کو اپنے اُٹھانے سے پہلے

بیانِ محبت کو وہ سُن تو لیتے
دو چار آنسو نئے بہانے سے پہلے

پڑھیں بابِ حکمت ذرا آپ اَمجد
مَتاعِ جوانی لُٹانے سے پہلے



وہ جب سے مِرے مہرباں ہو گئے
مرے دل کے ارماں عیاں ہو گئے

میرے دل میں، جب غم کی سوزش بڑھی
تو آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے

وہ وعدے کے باوصف آئے نہیں
وہ پھر مجھ سے کیا بدگماں ہو گئے

وہ جن دوستوں پر تھے تکیہ کئے
وہی بن کے دشمن عیاں ہو گئے

جو شورِ عنادل تھا وہ کم ہوا
مگر نذرِ برق آشیاں ہو گئے

جو تِنکے متاعِ نشیمن بنے
وہی نذرِ برقِ تپاں ہو گئے

ہے امجد یہ اُن کی نوازش فقط
مگر ہم کہاں سے کہاں ہو گئے



زندگی کی کشمکش میں کھو گئے
عمر ساری اپنا رونا رو گئے

اپنی خود داری کا تھا جن کو بھرم
آج وہ دنیا سے رخصت ہو گئے

چھاؤں زلفوں کی ملی، نیند آ گئی
پھر نہ جاگے، سو گئے، سو سو گئے

لوٹ کر واپس نہ پھر وہ آ سکے
روٹھ کر دنیا کے غم سے جو گئے

یوں تو دنیا کے تقاضے تھے بہت
چھوڑ کر سب آپ کے ہم ہو گئے

سامنے امجد کے سب برباد ہیں
بیج نفرت کے جو دل میں بو گئے



زمیں سے ہے نسبت نہ اب آسماں سے
نہ جانے ہم آکر رُکے ہیں کہاں سے
جُھکی ہے جبیں یہ ترے آستاں پر
اُٹھے گی نہ خالی تیرے آستاں سے
زمانہ ہوا غم سے نسبت ہے اپنی
خوشی ڈھونڈھ کے آج لاؤں کہاں سے
یہ دل آج کیوں منحرف ہو گیا ہے
بڑا پیار تھا دل کو تیرے جہاں سے
نہ جانے چمن میں ہوئی بات کیسی؟
کہ ہر پھول ڈرتا ہے اب باغباں سے
کٹی عمر امجد کچھ اس طرح اپنی
گذرتے رہے ہیں ہر اک امتحاں سے



مقاماتِ آہ و فغاں دیکھ لینا | جلے آشیاں کا دھواں دیکھ لینا
شکایت مجھے میکدے سے نہیں ہے | مگر آج پیرِ مُغاں دیکھ لینا
زمیں آسماں ہر جگہ میں نے ڈھونڈا | غرض تھی کہ تُو ہے کہاں دیکھ لینا
اگر چاہتے ہو رہیں اک لڑی میں | اُٹھا کر نظر کہکشاں دیکھ لینا
غُرور و تکبر پہ اترانے والو | رہے گا نہ باقی نشاں دیکھ لینا
جو ہو عزم محکم رہِ حق کے رہرو | تو ہر وقت دل کو جواں دیکھ لینا
نہیں ہے مجھے ڈر یہ زیر و زبر سے | حقیقت کو ہر دم عیاں دیکھ لینا
نہیں کوئی آزاد ہیں سب ہی بے بس | مقدر کا لکھا ایماں دیکھ لینا

زمانے کے چکر میں امجد گھرا ہے
مگر پھر بھی وہ ہے رواں دیکھ لینا



نہ اپنی زباں ہے، نہ اُن کا بیاں ہے
بتاؤ کہ پھر کس کی یہ داستاں ہے

جدھر دیکھیے، ظلم اُن کارواں ہے
کہاں کا سکوں بس، فُغاں ہی فغاں ہے

یہ جینا ہمارا بھی ہے کیسا جینا
سِتم ہم پہ ڈھانے کو سارا جہاں ہے

چلا تھا چمن کو، سجانے کی خاطر
مصیبت میں خود، گھر گیا باغباں ہے

خوشی اور غم، یوں گلے مل رہے ہیں
کہ راحت جہاں ہے، مصیبت وہاں ہے

کوئی برق کو جا کے پیغام دیدے
سجا کر رکھا، مَیں نے اب آشیاں ہے

مِلا اُن کا نقشِ قدم جب سے امجد
نظر میں زمیں ہے، نہ اب آسماں ہے



محبت کے نغمے سناتے چلو
چمن میں نئے گل کھلاتے چلو

نشیمن کے تنکے جماتے چلو
مقدر کو اپنا بناتے چلو

زمانہ اگر آزمائے تمہیں
زمانے کو تم آزماتے چلو

نہ منزل سے مایوس ہونا کبھی
قدم اپنے آگے بڑھاتے چلو

مزہ بندگی کا اسی میں تو ہے
درِ یار پر سر جھکاتے چلو

جہاں دوست ہو جائے گر بے وفا
تو دشمن کو اپنا بناتے چلو

حقیقت کو تم ور حقیقت کہو
حقائق کو منظر پہ لاتے چلو

اگر تم سے اچھائی ممکن نہ ہو
برائی سے خود کو بچاتے چلو

غرور و تکبر بری بات ہے
ہر اک کو سبق یہ پڑھاتے چلو

گرے برق امجد تو گرتی رہے
نشیمن برابر بناتے چلو



زخم جو تم نے دیا ہے وہ ابھی سوکھا نہیں
زندگی کو ڈھونڈتا ہوں کچھ پتا چلتا نہیں

وقت کا حاصل ہوں میں یہ سوچ لیجیے محترم
آپ مجھ کو کیا خریدیں اتنا میں سستا نہیں

تو مری دیوانگی کا جائزہ تو لے کے دیکھ
ڈھونڈتا پھرتا ہوں تجھ کو تو مجھے ملتا نہیں

لاکھ تدبیریں کیے جاؤ مگر کیا فائدہ
جو مقدر میں ہے لکھا وہ کبھی مٹتا نہیں

مردِ مومن کی اگر پہچان ہے تو بس یہی
زندگی لُٹ جائے بھی تو ظرف سے ہٹتا نہیں

حسن کی گرمی کی امجد کس نے پھیلائی ہے آگ
دل میں شعلہ جو بھڑکتا ہے تو پھر بجھتا نہیں



مشکل تھا کام، آپ نے آساں بنا دیا
کچھ میں بھٹک گیا تھا، تو انساں بنا دیا

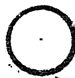
یوں مجھ پہ اپنے حسن کے جلوے بکھیر کر
محفل کو ساری آپ نے حیراں بنا دیا

ویران دل میں آپ کا آنا کرم ہوا
صحرا کو لمحہ بھر میں گلستاں بنا دیا

صد شکر نامہ بر تو نہ آیا ہے خالی ہاتھ
خط لکھ کے تم نے درد کا درماں بنا دیا

شاید سکوں نصیب نہ ہوتا کبھی مجھے
دل کو جلا کے جشنِ چراغاں بنا دیا

امجد تمہارے زورِ قلم کا ہے یہ اثر
دانشوروں کو سارے پشیماں بنا دیا



یہ زیست کا سامان بڑی مشکل ہے
سمجھے جسے آسان' بڑی مشکل ہے

گھٹتی ہے مری جان تری یادوں سے
اب کیسے بچے جان' بڑی مشکل ہے

وہ دور ہوئے جاتے ہیں ہم سے یارو
نکلیں گے اب ارمان' بڑی مشکل ہے

اُمید وفا اُس سے ہی وابستہ ہے
ہوتا ہے وہ' انجان بڑی مشکل ہے

وہ زخم زمانے نے' دیتے ہیں مجھکو
اب اپنی بھی' پہچان بڑی مشکل ہے

اوروں کے لئے کام' جو آجاتا ہو
مل جائے وہ انسان بڑی مشکل ہے

ہو کیسے گناہوں کا مداوا اَمجد
ہے حشر کا میدان بڑی مشکل ہے



کیا بات ہے کہ آج، طبیعت مچل گئی
دیکھا چھلکتا جام تو نیت بدل گئی

اک لمحہ دل کو چین میسّر نہ ہو سکا
یادوں میں کس کی، آج شبِ ہجر ڈھل گئی

اوروں سے کیا گلہ کہ یہ اپنا ہی دوش ہے
سینے پہ آج اردو کے، تلوار چل گئی

یہ آپ کا کرم ہے کہ ایک اتفاق ہے
لٹتی ہوئی حیات، جو گر کر سنبھل گئی

جکڑا ہوا تھا کب سے، میں نفرت کی بیڑیں
ان کے خلوص سے میری دنیا بدل گئی

کس واسطے اداس ہیں، امجد بتائیے
کس کی نوازشوں کی چھری دل پہ چل گئی



قسمت میں سر چھپانے کو اک سائباں نہیں
اتنے بڑے جہان میں، کوئی مکاں نہیں

جب کارواں تھا مل نہ سکا میرِ کارواں
اب میرِ کارواں ہے تو، پھر کارواں نہیں

مایوسیوں نے آن کے گھیرا ہے اس طرح
ہر سو ہماری زیست کا کوئی نشاں نہیں

بوئے وفا کو ڈھونڈتا پھرتا رہا ہوں میں
کس کو دکھاؤں درد کوئی رازداں نہیں

لٹتے چمن کو دیکھ کے، محظوظ ہے جہاں
اچھا ہوا کہ ہونٹوں پہ میرے فغاں نہیں

تنہائیوں کا ساتھ ہے، سایہ ہے دور دور
کیسے کریں تلاش کہ کوئی نشاں نہیں

زخموں سے چور ہو کے ہے، امجد کی زندگی
وہ کہہ رہے ہیں منہ میں ہمارے زباں نہیں



دل ہوا زیرِ بار، کیا کہیئے
لذّتِ انتظار کیا کہیئے

ان کی آنکھوں نے مئے پلائی ہے
چڑھ رہا ہے خمار کیا کہیئے

بے طلب، بے حساب ملتا ہے
شانِ پروردگار کیا کہیئے

پھول گلشن کی جان ہوتے ہیں
وہ ہے جانِ بہار کیا کہیئے

جانے کس بزم میں، چلا آیا
چھڑ گیا، ذکرِ یار کیا کہیئے

جب سے اِک بار تم کو دیکھا ہے
دل ہے تم پر نثار کیا کہیئے

آج امجد چلا، درِ جاناں
لے کے اشکوں کا ہار کیا کہیئے



جب بھی تیری نگاہ ہوتی ہے / دل مچلتا ہے، چاہ ہوتی ہے

ناز و انداز، اوج پر ہیں مگر / دل کی دُنیا تباہ ہوتی ہے

میری مظلومیت، قیامت ہے / ظُلم پر اُن کے واہ ہوتی ہے

آپ کی اِک نظر اگر ہو جائے / مرنے والے کو راہ ہوتی ہے

جیسے جیسے وہ دُور ہوتے ہیں / ویسے ویسے ہی چاہ ہوتی ہے

جب بھی آتا رہا خیال اُن کا / یاد بھی، گاہ گاہ ہوتی ہے

ان کو غیروں سے ہو گئی اُلفت / ہم سے کیسے نباہ ہوتی ہے

جانے والے کو روک لیتی ہے / کیا تمھاری نگاہ ہوتی ہے

کون دیتا ہے، غم اُسے امجد
روز و شب جس کی آہ ہوتی ہے



شبِ ہجراں جو اُن کے غم نہ ہونگے
نہ جانے ہونگے بھی ہم یا نہ ہونگے

حیاتِ جاوداں جن کو ملی ہے
اجالے وہ کبھی تو ہم نہ ہونگے

سکونِ دل سکونِ جاں نہیں ہے
یہ ہنگامے جہاں کے کم نہ ہونگے

کبھی تو آؤ پرسش کو خدارا
جو تم آؤ ہمارے غم نہ ہونگے

ہم آکر ایسی منزل پر کھڑے ہیں
یہ دل کے فاصلے اب کم نہ ہونگے

سکونِ دل میسر کیسے آئے
اگر ان کے ستم پیہم نہ ہونگے

ہوئی ہے راکھ ہر اُمید امجد
اب ایواں میں کبھی ماتم نہ ہونگے



جو زخم ہیں سینے میں وہ کس کو دکھانا ہے
ہے پاس مجھے ان کا ہنس ہنس کے بتانا ہے

اے برق تجھے ہرگز الزام نہ دینگے ہم
اب اپنے نشیمن کو دانستہ جلانا ہے

امید کبھی ٹوٹی ہے ارمان بھی ٹوٹے ہیں
یہ وقت کی باتیں ہیں رفتار زمانہ ہے

دل آپ پہ مائل ہے ہم آپ پہ قرباں ہیں
بس ماجرا اتنا ہے جو تم کو سنانا ہے

ملتے تھے کبھی ان سے اب ہم سے وہ چھپتے ہیں
وہ اپنا زمانہ تھا یہ ان کا زمانہ ہے

سوکھے کو ہرا کر دے یہ شان الٰہی ہے
قدرت کا کرشمہ یہ دنیا کو دکھانا ہے

گرداب میں کشتی ہے طوفان ہے منہ کھولے
بچنے کی نہیں صورت مالک ہی بچانا ہے

امجد کی تباہی بھی کیا رنگ دکھاتی ہے
جو بات حقیقت ہے لوگوں کو بتانا ہے



نہ دلبر ہے کوئی نہ وہ دلبری ہے
یہ کیسا سماں ہے یہ کیسی گھڑی ہے

کہاں ہے خیال اب وفاؤں کا تم کو
تباہی کا ساماں ہے فتنہ گری ہے

زمانے نے اتنا ستایا ہے ہم کو
یہاں ہم کو جینا بھی دردسری ہے

ہماری بدولت ہوا ہے یہ سب کچھ
ہر اک چیز میں آپ کی برتری ہے

فریبوں کے بازار میں گھر گئے ہیں
یہ انسانیت اس قدر کیوں گری ہے

یہاں جو بھی کرنا ہے اچھا ہے کر لو
یہ دنیا ہے کیا بس گھڑی دو گھڑی ہے

ہمیں کوئی امید منزل نہیں ہے
یہاں رہزنوں کی ہی اب رہبری ہے

نظر ان کی اٹھتی نہیں مجھ پہ امجد
یقیناً ابھی مجھ میں کوئی کمی ہے



پیار جب بھی حضور ہوتا ہے
دل کہاں دل سے دور ہوتا ہے

اور اک جام ساقیا دے دے
نام تیرا ضرور ہوتا ہے

جو حقیقت ہے چھپ نہیں سکتی
آئینہ باشعور ہوتا ہے

بات اتنی ہے پیار کر بیٹھے
آدمی سے قصور ہوتا ہے

آپ میری طرف ذرا دیکھیں
چشم نرگس میں نور ہوتا ہے

جب بھی آتی ہے یاد ماضی کی
غم سے دل چور چور ہوتا ہے

جب سے سیکھا ہے آنکھ سے پینا
جام سے کب سرور ہوتا ہے

صاف سیدھی سی بات ہے امجد
حسن جب ہو غرور ہوتا ہے



زمانے کا یارو عجب ہی چلن ہے
نہ اب وہ چمن ہے نہ جانِ چمن ہے

تم آئے تو ساری فضا ہے معطر
تمہارے ہی دم سے تو یہ انجمن ہے

جہاں سبز و شاداب وادیاں ہیں
ہمارا وطن ہے ہمارا وطن ہے

کہاں حق پرستی کا نام و نشاں ہے
یہاں جھوٹ کا ہر قدم پر چلن ہے

جہاں پر نظر آئیں تارِ گریباں
یقیناً ہمارا ہی وہ پیرہن ہے

خدارا مرے پاس کوئی نہ آئے
مرے دل پہ چھائی ہوئی اک تھکن ہے

فریبِ مسلسل سے دوچار ہیں ہم
بظاہر ہیں خاموش دل میں گھٹن ہے

کرشمہ یہ تیرے کرم کا ہے مالک
بڑے اوج پر آج امجد کا فن ہے



پیتے رہے سدا ذرا ساقی سے پوچھئے
روشن تھا میکدہ ذرا ساقی سے پوچھئے

مظلومِ میکدہ ہوں یہ میرا ہی ظرف ہے
کس کی تھی یہ خطا، ذرا ساقی سے پوچھئے

دینے میں کچھ کمی نہ تھی اس پر بھی دوستو
مایوس کیوں ہوا ذرا ساقی سے پوچھئے

فیض کرم تھا عام مگر کیا بتائیے
خود میں ہی تشنہ تھا ذرا ساقی سے پوچھئے

تاروں کی یہ ضیا، یہ چمکتی سی چاندنی
کس کی ہے یہ ادا ذرا ساقی سے پوچھئے

میخوار میکدے سے جو لب تشنہ اٹھ گیا
مغموم تھی فضا، ذرا ساقی سے پوچھئے

امجد نے جب سے چھوڑ دیا میکدے کا در
اک شور ہے مچا ذرا ساقی سے پوچھئے



چشم کرم نے آپ کی مغموم کر دیا
مجھ کو سکون چین سے محروم کر دیا
دنیا سمجھ رہی تھی کہ معصوم آپ ہیں
سارے جہاں کو آپ نے معصوم کر دیا
ہم ظلمتوں کی چھاؤں سے واقف تو ہیں مگر
پر آپ کے خلوص نے مظلوم کر دیا
اپنے اصول کے تو ہیں پابند ہم مگر
شیریں زبان نے آپ کی محکوم کر دیا
لوگوں نے ایسی فتنہ گری کی جہان میں
ساری فضائے دہر کو مسموم کر دیا
امجد وہ راز جس کو چھپایا تھا عمر بھر
سارے جہاں کو آپ نے معلوم کر دیا



لٹے تھے کہاں کچھ خبر تو نہیں ہے
حضور آپ کا یہ اثر تو نہیں ہے

جہاں پر قضا ہم کو لے کر چلی تھی
وہی عمر بھر کا سفر تو نہیں ہے

جہاں بھی گیا ہوں ملے خار مجھ کو
تمہارے کرم کا اثر تو نہیں ہے

یہ جھوٹی سہی پر تسلی دلا دو
رہِ زندگی پر خطر تو نہیں ہے

یہاں شیخ جی بھی لگے لڑکھڑانے
ہماری دعا کا اثر تو نہیں ہے

ہر اک گام پر اب جو سہتا ہے صدمے
کوئی اور ہے یہ بشر تو نہیں ہے

نہ اس طرح ڈھاؤ بڑی بے رخی سے
یہ دل ہے مرا کوئی گھر تو نہیں ہے

نہ جانے یہ کیوں بیڑیاں پاؤں میں ہیں
ادھر کچھ تمہارا گذر تو نہیں ہے

شبِ ہجر کا حال پوچھو نہ امجد
دل اپنا چراغِ سحر تو نہیں ہے



دل تو ہمارا لے گئے وہ پیار کے لئے
اب کہہ رہے ہیں یہ تو ہے آزار کے لئے

چہرے کا رنگ ان کے بتلاتا ہے صاف
آئے ہیں میرے پاس وہ تکرار کے لئے

اک ہم کہ ان کی چاہ میں سب کچھ لُٹا چکے
اک وہ کہ ساری چاہ ہے اغیار کے لئے

گر پیار جرم ہے تو سزا دیجئے ہمیں
تیار ہم بھی ٹھیرے ہیں اب دار کے لئے

گلشن کے کاروبار کا انصاف خوب ہے
غیروں کو گل تو خار ہیں حقدار کے لئے

امجد یہ زندگی ہے کھلونا نہیں کوئی
کھوتے ہو عمر کس لئے افکار کے لئے



ملوں ان سے جاکر یہی آرزو ہے
مسلسل مری اب یہی جستجو ہے

ترے دل میں مجھ کو بسانا ہے بہتر
مری زندگی ہی تری آبرو ہے

شب و روز کانوں میں رس گھولتی ہے
یہ بلبل ہے کوئی بڑی خوش گلو ہے

مرے دل کی وادی میں آکر تو دیکھو
یہاں کی ہر اک شئے بڑی خوبرو ہے

خموشی کا ان کی یہ انداز دیکھو
عجب طرز ہے یہ عجب گفتگو ہے

نظر میں سمایا ہے جلوہ کسی کا
جدھر دیکھتا ہوں وہی روبرو ہے

چمن چھٹ کے امجد زمانہ ہوا تھا
تصور میں اب بھی وہی خوبرو ہے



غیروں سے راہ و رسم بڑھانے لگے ہیں آج
جلتے ہوئے کو اور جلانے لگے ہیں آج

دورِ چمن تو کب کا خزاں میں بدل گیا
زاغ و زغن ہر اک کو ڈرانے لگے ہیں آج

سرمایہ دار خون غریبوں کا چوس کر
محلوں کو خوب اپنے سجانے لگے ہیں آج

کس حال میں ہیں آپ کے دیوانے دیکھئے
جانِ عزیز کو بھی لٹانے لگے ہیں آج

حق بات کو تو لوگ چھپاتے رہے مگر
جھوٹی حکایتوں کو سنانے لگے ہیں آج

دامن میں اپنے جھانک کے پہلے تو دیکھ لیں
تہمت جو دوسروں پہ لگانے لگے ہیں آج

اب دوستوں کا ذکر بھی امجد فضول ہے
سمجھتے تھے جن کو اپنے بھلانے لگے ہیں آج



ارباب وفا کی حالت کا دنیا میں سنبھلنا مشکل ہے
دنیا نے بھی بدلا رنگ ایسا اب ان کا بدلنا مشکل ہے

شکوہ نہ زباں پہ آئے گا جاتا ہے اگر دم جلنے دو
دن یوں تو گذر ہی جاتا ہے اب رات کا ٹلنا مشکل ہے

گر تیرا اشارہ ہو نہ ادھر اب تو ہی بتا جائیں گے کدھر
گرداب کی زد میں کشتی ہے طوفان سے نکلنا مشکل ہے

ہر گام پہ اک آفت ہے ہر موڑ پہ اک اک فتنہ ہے
حالات کچھ ایسے بگڑے ہیں اب اپنا سنبھلنا مشکل ہے

وہ دور ہوئے جب نظروں سے آہوں میں بسر ہو جاتی ہے
صحرا میں بھٹکتا ہوں یارو اس دل کا بہلنا مشکل ہے

بنیاد نشیمن ڈالی ہے اک ایسی جگہ پر امجد نے
آندھی کا جہاں پر خوف نہیں اور برق سے جلنا مشکل ہے



باندھ کر وہ ٹکٹکی آتا ہوا جاتا ہوا
دیکھتا ہے پیار سے کیوں مجھ کو شرماتا ہوا

تھا یقیں کس کو بیاباں گلستاں بن جائیگا
کون گذرا ہے ادھر سے پھول برساتا ہوا

میں نے اس سے بے رخی اک نہیں کی تھی مگر
ہائے وہ کیوں جا رہا ہے مجھ کو ٹھکراتا ہوا

اس کی باہوں میں ہوں جاکر یہی ہے آرزو
وقت لیکن جا رہا ہے اس کو بہکاتا ہوا

کس لئے پتھرا گئی ہے آج میری چشم دید
کون جاتا ہے مرے آگے سے بل کھاتا ہوا

آج کوئی جرم شائد اس سے سرزد ہو گیا
پاس میرے آتا ہے کیوں اتنا گھبرایا ہوا

تیرے بلوانے پر امجد آگیا ہے بزم میں
غیر کو کیوں دیکھتا ہے مجھ سے شرماتا ہوا



ہم کو شاید تمہیں بھلانا ہے
درد کو دل میں اب بسانا ہے

ہائے کس وقت موت آئی ہے
آپ آئے ہیں مجھ کو جانا ہے

ایک میں ہوں جو تیرے پیچھے ہوں
میرے پیچھے مگر زمانہ ہے

بندگی کا مزہ ملے یا نہ ملے
سر کو ہر حال میں جھکانا ہے

پھر سے تھمنے لگے ہیں اشک مرے
پھر مجھے حالِ دل سنانا ہے

دل کو لے کر تو ہو گئے خاموش
آپ کا کیا حسین بہانہ ہے

موت بے تاب، زندگی بے چین
آج امجد کو آزمانا ہے



تری آنکھ تو پیار کی انجمن ہے
خدا کا تراشا ہوا یہ بدن ہے

سمندر کو کوزے میں جو بند کر دے
کمالِ سخن ہے یہی ایک فن ہے

ہر اک پھول ہوتا ہے تجھ پر نچھاور
تیرے چہرے پر آج وہ بانکپن ہے

وفاؤں کے پیچھے ارے جانے والے
جفاؤں کا اس دور میں اب چلن ہے

جسے چھو لیا تھا کبھی بے ارادہ
تمہارا نہیں پھول کا پیرہن ہے

خدا کے لئے آپ آئیں نہ ہرگز
جو اجڑا ہوا ہے وہ اپنا چمن ہے

یہاں شعر پر داد ملتی ہے امجد
غزل گنگناؤ یہ بزمِ سخن ہے



زُلف کیا ہے آپ کی، گویا کہ اک زنجیر ہے
چاند کی یہ چاندنی بھی، آپ کی جاگیر ہے

ہائے تیری چاہ میں، آئے ہیں، اس منزل پہ ہم
مُفت میں بدنام ہیں بے وجہ یہ تشہیر ہے

دیکھ لے قاتِل کہ، میرا ظرف بھی ہے کس قدر
مُسکراہٹ لب پہ ہے گردن پہ اب شمشیر ہے

نامہ بر مجھ سے تو اب لکھا نہیں جاتا جواب
موتیوں سے لفظ میں، کتنی حسین تحریر ہے

ہر کوئی ہے دم بخود، اور ہر کوئی سکتہ میں ہے
کتنی پیاری داستاں، کتنی حسین تقریر ہے

ہائے وہ اُردو کہاں ہے جس پہ سب کو ناز تھا
اب کوئی غالب رہا ہے اور نہ کوئی میر ہے

موت تو مانگی مگر، کمبخت بھی آتی نہیں
چارہ گر یہ تو بتا، جینے کی کیا تدبیر ہے

زندگی نے لا کے چھوڑا، آج امجد کو کہاں
عزم ہے سہما ہوا، روٹھی ہوئی تقدیر ہے

☆

○

اب کہاں انتظار ہوتا ہے
ان سے ملتا بھی، یار ہوتا ہے

عشق بڑھتا ہے، دو قدم آگے
حُسن جب بے قرار ہوتا ہے

ترکِ اُلفت کو ہوگئی مدّت
اب کسے اعتبار ہوتا ہے

نہ تو ساغر ہے اور نہ مینا ہے
جانے پھر کیوں خمار ہوتا ہے

تیری نظروں کا کرم ہے شاید
زندگی کو قرار ہوتا ہے

ہم تو امجدؔ، جہان سے اُٹھے
ذکر اب، بار بار ہوتا ہے

قطعہ

یہہ فضا آج خوش گوار بھی ہے
موسمِ گُل بھی ہے بہار بھی ہے

کاش تھم جائے رات یہہ امجدؔ
وہ ہے پہلو میں اور خمار بھی ہے



مَیں مجبور ہو کر بُلایا گیا ہوں
اب اُن کی نظر میں سمایا گیا ہوں

زمانہ لگاتا ہے مجھ کو گلے سے
یہ کیسے بیاں ہو، سنایا گیا ہوں

عجب اُن کے وعدے، نہ آنا، نہ جانا
ہر اک بار دھوکا ہی کھایا گیا ہوں

زمانہ ہمیشہ رُلاتا رہا ہے
زمانے کی گردش میں آیا گیا ہوں

کرشمے تو دیکھو، اداؤں کے ان کی
رُلایا گیا ہوں، ہنسایا گیا ہوں

توجہ ذرا آپ، فرما تو دیجیے
بڑی دُور سے، مَیں بُلایا گیا ہوں

مِلا جب نہ مجھ کو بھی امجد سا کوئی
تو مَیں خود وہاں سے بُلایا گیا ہوں



دِل میں اب گھر بنا لیا ہوتا
ظرف کچھ تو بڑھا لیا ہوتا

بارِ اُلفت اُٹھا لیا ہوتا
اپنا سب کچھ لُٹا لیا ہوتا

اپنی تنہائی دُور کرنے کو
پاس اپنے بُلا لیا ہوتا

بے خودی کو تمہیں جو پایا تھا
سازِ ہستی جگا لیا ہوتا

دِل کو اپنا کے کچھ نہیں حاصل
غم کو اپنا بنا لیا ہوتا

یہ چمن سارا آپ ہی کا ہے
رنگِ گُل بھی چُرا لیا ہوتا

کیا خوشی میں دھرا ہے اب امجد
رشتہ غم سے جما لیا ہوتا



لُوٹنے والے سے پوچھتے کیا ہو
ظلم ڈھا کر بھی سوچتے کیا ہو

زندگی دو گھڑی کی ہے آؤ
پھر نہ لوٹے گی دیکھتے کیا ہو

آپ ہی کے کرم کا صدقہ ہے
زندگی کو ٹٹولتے کیا ہو

ہم کہاں ہیں خبر نہیں ہم کو
اس طرح پھر جھنجھوڑتے کیا ہو

سرد مہری رہے گی یہ کب تک
ایک قاتل سے پوچھتے کیا ہو

چاندنی کب کے ہو گئی رخصت
شبِ غم میں ٹٹولتے کیا ہو

عمر ساری گذر گئی امجدؔ
حق سے مُنہ آج موڑتے کیا ہو



ذرا مسکرا دو، خدا کے لئے
مرے جا رہے ہیں وفا کے لئے

تمہاری جدائی کا عالم یہ ہے
دعا مانگتے ہیں قضا کے لئے

تمہیں کیا کوئی اور ملتا نہیں
جو ہم رہ گئے ہیں سزا کے لئے

خدا را یہاں سے چلے جایئے
مرا دل ہے مائل خطا کے لئے

خدایا کرم کی مجھے بھیک دے
ملے کچھ تو روزِ جزاء کے لئے

پلانے سے اب فائدہ کچھ نہیں
مرض چاہیئے کچھ دوا کے لئے

گناہوں کا امجد کو احساس تھا
اٹھے ہاتھ جب بھی دعا کے لئے



یا، جب اک بہانہ رہا ہے　　　مرے دل کا گیا ٹھکانا رہا ہے

شاخ جس پر مرا آشیاں تھا　　　محبت کا اننا فسانا رہا ہے

یا ہے فانی ہر اک کو ہے جانا　　　زمانے میں کس کا ٹھکانا رہا ہے

نہ اس کو ابھی سو گیا ہے　　　ہر اک کا اسی کو ستانا رہا ہے

ں کی محبت عزت ہے کیسی　　　مسلسل جفا کا زمانا رہا ہے

تا سے چلوں، امتحاں کی ڈگر پر　　　سدا آپ کا آزمانا رہا ہے

یا بندگی ہے سمجھ میں آیا　　　ہر اک گام پر آستانا رہا ہے

یہ کوئی کھنڈر ہے، یا دل میرا امجد

کہ صدموں سے جس کو سجانا رہا ہے



زمیں پر قدم، آسماں پر نظر ہے
نظر ڈھونڈتی ہے وہ آخر کدھر ہے

یہ دو گز زمیں پر نہیں تھی ہمارا
مکیں تھا جہاں وہ مکاں اب کدھر ہے

چلو مانتے ہیں محبت نہیں ہے
محبت نہیں ہے تو کیوں آنکھ تر ہے

زمانے کا عالم، عجب ہو گیا ہے
جدھر دیکھتے ہیں، فقط شور و شر ہے

اُدھر آپ رُسوا، اِدھر ہم ہیں رُسوا
حضور آپ کو اس کی کچھ تو خبر ہے

تمہارا کرم جب سے شامل ہوا ہے
نہ مرنے کا غم ہے نہ جینے کا ڈر ہے

نہ آئے وہ امجد ڈھلی چاندنی بھی
نہ جانے شبِ وعدہ کیوں مختصر ہے



زمانے کا ہم پر ہوا یہ کرم ہے
جفا ہی جفا ہے، ستم ہی ستم ہے

عجب موڑ پر میرا غم آکے ٹھہرا
نہ آنسو رواں ہیں، نہ دامن ہی نم ہے

تمہیں بھول کر، ایک مدت بھی گزری
تمہاری جدائی کا، اب تک بھی غم ہے

ترقی کے اس دور کا ہے کرشمہ
جو اچھائی ہے، اب برائی میں ضم ہے

یہ شیخ و برہمن کی راہیں، الگ ہیں
مگر ان کا مرکز، تو دیر و حرم ہے

ہے جام اپنا خالی تو اُف تک نہ کہنا
یہ ہے میکدہ، ہم کو رکھنا بھرم ہے

ہے امجد تمہارا، تمہارا رہے گا
قسم ہے خدا کی، خدا کی قسم ہے



(وطن کی یادیں)

گھر اپنا بنانے کو جی چاہتا ہے
وطن پھر بسانے کو جی چاہتا ہے

وطن کی زمیں کی کشش ہے یہ شاید
قدم پھر جمانے کو جی چاہتا ہے

کبھی یاد بھولے سے آئی وطن کی
تو آنسو، بہانے کو جی چاہتا ہے

چمن کو لٹ کر، ہوئی ایک مدت
چمن پھر بسانے کو جی چاہتا ہے

کہاں تک رہیں، دور ہم اب وطن سے
پھر اک بار آنے کو جی چاہتا ہے

پہنچ کر وطن کو، ارادہ ہے اپنا
غمِ دل، سنانے کو جی چاہتا ہے

وطن کی زمین کی، یہ مٹی ہے امجد
جو سُرمہ بنانے کو جی چاہتا ہے

☆



اپنی زندہ دِلی نے مارا ہے
پھر ہمیں زندگی نے مارا ہے

یاد اُس کی تو کم نہیں ہوتی
دِل کی اُس بے کلی نے مارا ہے

حال فرقت کا کیا سُنائیں گے
رات کی تیرگی نے مارا ہے

زندگی میں ہے کیا مزہ باقی
وقت کی بے رُخی نے مارا ہے

موت سے کچھ گِلا نہیں مجھ کو
زندہ ہوں، زندگی نے مارا ہے

ہائے وارفتگی کا یہ عالم
اُن کی وارفتگی نے مارا ہے

اب اندھیرے ہی تھے سہارا دیتے ہیں
جب سے اِک روشنی نے مارا ہے

عِشق کرنا نہیں ہے سہل امجدؔ
عِشق کی ہر گھڑی نے مارا ہے



دونوں کے نام، پیار میں بدنام ہو گئے
چرچے ہمارے عشق کے یوں عام ہو گئے

بدنامی کا ہماری، کوئی غم نہیں ہمیں
ناحق تمہارے نام بھی بدنام ہو گئے

ہوتی ہیں کیسی وقت کی تبدیلیاں، پوچھ
تھے شہسوار جتنے، تہہ دام ہو گئے

دو روزہ زندگی پہ اکڑنا نہیں درست
کتنے ابھر ابھر کے بھی گمنام ہو گئے

امجد کا تھا قیام یہاں کل کی بات ہے
ایوان آج، کتنے ہی نیلام ہو گئے



چھوٹی سی گذارش ہے سُن لو تو مناسب ہے
بندہ یہ گناہوں کا تم سے ہی مخاطب ہے

ہوتی ہے خطا مجھ سے، ہر چیز عطا تجھ سے
ہر حال میں جب تو ہی تقدیر کا کاتب ہے

جو صُبح کا بھولا ہے گر شام کو گھر لوٹے
ہم اتنا سمجھتے ہیں، اب پھر سے وہ راغب ہے

رنجور بھی ہوتا ہوں، مغرور بھی ہوتا ہوں
رحمت کا عطا ہونا ہر حال میں واجب ہے

ہو جائے گنہ مجھ سے کچھ خوف نہیں اس کا
جب حشر کے میداں کا یارب تو محاسب ہے

انجم میرے مالک کا احسان ہے بہت مجھ پر
اتنا مجھے دیتا ہے جتنا کہ مناسب ہے



مرے ساتھ ان کی ہمیشہ جفا ہے
وفاؤں کا مجھکو صلہ یہ ملا ہے

نہ مجھکو بلایا، نہ خود آپ آئے
یہ کیسا کرم ہے، یہ کیسی ادا ہے

وہ خط میرا پڑھ کر پشیماں ہوئے ہیں
مرے خط کا مضمون اثر کر گیا ہے

کئی حادثوں سے سنبھل کر رہا دل
مگر اُس کے کوچے میں جاکر لٹا ہے

نہ آئی ابھی تک شکن اس جبیں پر
کئی بار میرا نشیمن جلا ہے

سوائے محبّت کے کیا نام دینگے
اک آنسو جو پلکوں پہ آکر رکا ہے

نہ تھی دل کے بچنے کی صورت ہی امجد
مقدّر میں لٹنا تھا، لٹ کر رہا ہے



دل شکستہ، اب ہمارا ہوگیا
پیار ان کا، بے سہارا ہوگیا

جب سے کشتی پھنس گئی طوفان میں
دُور ہم سے، اب کنارا ہوگیا

موت بھی سہمی ہوئی واپس گئی
زیست کو ان کا سہارا ہوگیا

وہ نہ آئے کم سے کم اتنا ہوا
دُور سے ان کا نظارا ہوگیا

عیش کی گھڑیاں، میسر ہیں نہیں
مرنے والا، غم کا مارا ہوگیا

اب نہ کوئی بھی، ہمیں روکے یہاں
دیکھیۓ ان کا اشارا ہوگیا

ناز تھا امجدؔ مقدّر پہ مجھے
کیوں مرا دُھندلا ستارا ہوگیا



جانے کیا بات ہے، لوگوں میں کھٹکتے ہی رہے
ہم تو باہوش ہیں، دانستہ بھٹکتے ہی رہے

جب سے چھوٹا ہے چمن، حال بُرا ہے اپنا
بس اسی یاد میں، ہر وقت سسکتے ہی رہے

درد بڑھتا گیا، اُٹھنے لگے شُعلے دل سے
اور آنسو تھے کہ ہر لمحہ ٹپکتے ہی رہے

ایک وہ ہیں کہ انھیں راہ ملی منزل کی
ایک ہم ہیں کہ شب و روز بھٹکتے ہی رہے

شہر کی گلیوں میں، تاریکیِ شب میں دیکھو
جسمِ عُریاں ملے، پازیب کھنکتے ہی رہے

گھر سے نکلے تو ہیں ہم، کوچۂ جاناں کے لئے
چلنا مقصود تھا، چلتے رہے، تھکتے ہی رہے

ایک میں ہوں کہ، ابھی تشنہ لبی باقی ہے
سارے رندوں کے لئے جام چھلکتے ہی رہے

ایک ہم ہیں کہ اجالے بھی نہیں راس امجد
وہ گھٹا ٹوپ اندھیرا، ہم چمکتے ہی رہے



دورِ پچھلا، جناب آجائے
پھر سے اپنا شباب آجائے

مَیں ہمیشہ سے سوچتا ہوں یہی
کاش وہ، بے نقاب آجائے

اتنا بے باک مت پھرا کیجیے
کچھ تو پھر سے حجاب آجائے

ٹھہرئیے اِک ذرا بتاتا ہوں
اُس کے خط کا جواب آجائے

اِک خوشی دیکھیے آپ خوش ہیں مگر
پہلے غم کا حساب آجائے

اُن کے چھوٹے سے اِک اشارے پر
دوڑ کر آفتاب آجائے

دل کی بستی، اُجڑ چکی امجد
پھر وہ خانہ خراب آجائے



سمجھائیں ان کو کیسے عالم ہے بے خودی کا
اِک رعب سا ہے طاری منظر ہے خاموشی کا

بیکار اپنی رغبت بے سود اپنی چاہت
اندازہ ہو گیا ہے اب اُن کی بے دلی کا

محفل میں آ گئے ہیں مجبور ہو کے دل سے
کیوں کر رہے ہو ہم سے اظہار بے رُخی کا

سرزد ہوئی نہ ہم سے کوئی خطا بھی اب تک
پیدا ہوا ہے پھر کیوں احساس بے حسی کا

دھوکہ ہوا تھا ہم کو کر کے بھروسہ ان پر
یہ چھیڑ چھاڑ ان کی سودا تھا دل لگی کا

خود آ کے دیکھ لو تم پردہ نہیں ہے کوئی
دُنیا کے سامنے ہے نقشہ یہ زندگی کا

امجد اُنھیں بتا دو کا فرادائیں چھوڑیں
ہونے لگا ہے ہم کو احساس عاشقی کا

☆



رُسوائی کے لیے کوئی الزام چاہیئے
کچھ تو زمانے میں بھی مرا نام چاہیئے

کیسا سکون، کیسا مزہ اور کیسا چین
اس زندگی کے واسطے کُہرام چاہیئے

گر چھینتا ہے چھین لے دولت خوشی کی تو
بس تیرے پیار کا ہمیں انعام چاہیئے

رِندوں کے اختلاف سے مطلب نہیں مجھے
دو گھونٹ ساقی مجھکو سرِ شام چاہیئے

کب تک میں بڑھ کے پیار جتاتا ہوں سدا
اُن کی طرف سے بھی کوئی انعام چاہیئے

امجدؔ تو آج، نزع کے عالم میں گھر گیا
اے دوست تیری چاہ کا پیغام چاہیئے

٭



یہ چمن میں، بہار اب کیا ہے
فصلِ گُل، اعتبار اب کیا ہے

مُفت میں ہم تو، ہو گئے بدنام
دو گھڑی کا خُمار اب کیا ہے

وقت ہی نے، بگاڑ ڈالا ہے
وقت سے ہم کو، پیار اب کیا ہے

اختلافات، یہ تو ضمنی ہیں
مِل کے رہنے میں عار اب کیا ہے

کب تلک ہوگا، امتحاں اپنا
امتحان بار بار، اب کیا ہے

جام و مینا، پڑے ہیں سب خالی
میکدے کا وقار اب کیا ہے

روز اِک ولولہ سا اُٹھتا ہے
چین کیا ہے، قرار اب کیا ہے

میکشی سے تو، دور ہیں امجد
بِلا پیئے یہ، خمار اب کیا ہے



چمن کا نظارا، بڑا ہی کٹھن ہے
ہو گلچیں ہمارا، بڑا ہی کٹھن ہے

اُسے بڑھ کے غیروں نے اپنا لیا ہے
اب اُس کا سہارا بڑا ہی کٹھن ہے

مزاجِ زمانہ عجب ہو گیا ہے
بدل جائے دھارا بڑا ہی کٹھن ہے

بھنور میں چلی آ گئی ناؤ اپنی
ملے گا کنارا بڑا ہی کٹھن ہے

بیاباں میں یا قید رہ کر قفس میں
گلوں کا نظارا، بڑا ہی کٹھن ہے

تڑپتے رہیں گے یہی زندگی ہے
اب اُس کا اشارا بڑا ہی کٹھن ہے

کچھ ایسی لگی آگ اب دل میں امجد
بجھے گا شرارا، بڑا ہی کٹھن ہے



اے ظلم و ستم تو نے کس موڑ پہ لا ڈالا
ظاہر بھی لُٹا ڈالا، باطن بھی لُٹا ڈالا

جذباتِ محبت میں بڑھتے ہی چلے تھے ہم
منزل کے قریں لا کر، دل نے تو لُٹا ڈالا

شکوے کی نہیں عادت، خاموش رہیں کب تک
برتاؤ نے اپنوں کے اب دل ہی بجھا ڈالا

ایک اک سے بیاں کر کے رودادِ غمِ دل کی
خود اپنا وقار اپنے ہاتھوں سے گھٹا ڈالا

حکمت ہے تری ایسی، سمجھا نہ اسے کوئی
کتنوں کو گرا ڈالا، کتنوں کو اُٹھا ڈالا

مغرور جو انساں تھے، دولت پہ جو نازاں تھے
دنیا کے تغیر نے کتنوں کو گرا ڈالا

امجد کا تو مالک ہے امجد ترا خادم ہے
احساں ہے ترا تو نے اپنا جو بنا ڈالا



گو دُور سہی تجھ سے، مجبور نہیں ہوں میں
خوشیاں نہ سہی لیکن، رنجور نہیں ہوں میں

مالک کا کرم مجھ پر، ہر حال میں شامل ہے
اوروں کی طرح یارو، بے نور نہیں ہوں میں

رِستے ہیں تو رِسنے دو، پھلتے ہیں تو پھلنے دو
اس پر بھی تو زخموں سے اب چور نہیں ہوں میں

دُنیا کے ستم مجھ پر، [illegible] ستم مجھ پر
دُنیا کے لئے کوئی، ناسور نہیں ہوں میں

حق بات نہ تم سُنتے، حق بات نہ میں کہتا
سُولی پہ نہ لے جاؤ، منصور نہیں ہوں میں

یہ کیسا تغافل ہے، امجد کا ذرا دیکھو
پی کر بھی وہ کہتا ہے مخمور نہیں ہوں میں

٭



پھر یار کی محفل میں جانا تو ضروری ہے
نزدیک اسے پھر سے لانا تو ضروری ہے

غفلت میں پڑے کب تک عمر اپنی گنواؤ گے
اب ہوش میں آجاؤ، آنا تو ضروری ہے

کیوں عیش و طرب پائیں کیوں غم سے نکل آئیں
غم اپنا مقدر ہے کھانا تو ضروری ہے

زلفوں کی اسیری میں بے دام ہوئے یارو
الزام جو سر آئے، آنا تو ضروری ہے

یہ دور ہی ایسا ہے ساتھ اس کا ہمیں دینا
ہر سُر پہ زمانے کے گانا تو ضروری ہے

اب اہلِ جہاں کو بھی کچھ کر کے دکھاؤ تم
اس دورِ ترقی میں چھانا تو ضروری ہے

امید کی دنیا ہے امید پہ جینا ہے
کچھ کھو کے تمہیں امجد پانا تو ضروری ہے

☆



پھر نہ اِک واردات ہو جائے
راستے میں نہ رات ہو جائے

دردِ دل حد سے بڑھ گیا جب بھی
یہ سمجھ لو نجات ہو جائے

آپ اگر بے نقاب ہو جائیں
منتشر کائنات ہو جائے

صدق دل سے کریں اگر توبہ
اپنی اپنی نجات ہو جائے

روز کرتے ہیں بات اَوروں کی
آج ان کی ہی بات ہو جائے

کام ہم کیا کریں کہو امجد
مختصر جب حیات ہو جائے

❁



ڈوبی ہوئی مستی میں گھٹا جھوم رہی ہے
ہر اک کی نگاہوں میں قضا جھوم رہی ہے

دیکھا نہ گیا مجھ سے، ترے حُسن کا عالم
معصوم نگاہوں میں، حیا جھوم رہی ہے

قاتل تری تلوار پہ قربان مری جاں
بسمل کی نگاہوں میں قضا جھوم رہی ہے

یہ موسمِ گُل ہے، یہاں پینا ہے ضروری
لو ہاتھ میں ساغر کہ گھٹا جھوم رہی ہے

وہ کونسی رغبت ہے محبت ہے بتا دے
کیوں تیری طرف آج صبا جھوم رہی ہے

جادو ہے کوئی یا کوئی سازش ہے بتا دے
کیوں تیری جفا پہ بھی وفا جھوم رہی ہے

امجد تری حالت کبھی ایسی تو نہیں تھی
کیوں چاہ تری حد سے سوا جھوم رہی ہے

☆



بے تاب نگاہیں ہیں، تو بے چین جگر ہے
کیا مجھ پہ گذرتی ہے، بتا تجھ کو خبر ہے

بے خوف چلے آیئے، رُکتے ہیں قدم کیوں
مجبوری بھلا کیا ہے، یہ اپنا ہی تو گھر ہے

غمگیں ہیں، ناشاد ہیں، بیزار ہیں یارو
ہم پر یہ کرم، کس کی دعاؤں کا اثر ہے

آزاد ہوں تو بہ سے کوئی فکر نہیں ہے
جھکتا ہے مرا سر جہاں تیرا ہی تو در ہے

کیوں میرے لئے صرف، اندھیرا ہی لکھا ہے
دھندلاتی ہوئی کتنی اُمیدوں کی سحر ہے

مَیں آپ کا ہمراز ہوں، کیوں خوف ہے طاری
سہمی ہوئی کیوں آپ کی دُزدیدہ نظر ہے

امجد بھلا اُردو کا نشاں کیسے مٹے گا
سب اہلِ سُخن کے لیے محبوب نگر ہے



اِک بار اُن سے پھر مری پہچان ہوگئی
مشکل، خدا کا شکر ہے، آسان ہوگئی

اُس کی نگاہ، جب کبھی انجان ہوگئی
یہ زندگی ہماری، پریشان ہوگئی

فُرقت نے اِس قدر، مجھے بے چین کردیا
لمحے میں زندگی مری، بے جان ہوگئی

دانستہ، کیسے، ہم ہی جلائیں گے آشیاں
اے برق تو بھی، کِس لئے انجان ہوگئی

غنچے وہی ہیں، پھول وہی، باغباں وہی
بستی چمن کی کِس لئے سُنسان ہوگئی

گُل کی رگوں میں، خوں کی روانی وہی تو ہے
کِس نے کہا، بہار ہی بے جان ہوگئی

امجدؔ، خدا کا شکر نہ کیسے ادا کریں
جب شخصیت ہی صاحبِ دیوان ہوگئی



بتاؤ مجھے اور کیا چاہیئے
بس اہلِ نظر کی دعا چاہیئے

زمانے سے بیگانے ہم ہو گئے
جفا اور نہ ان کی وفا چاہیئے

گنہ بس یہی ہے کہ حق پر ہوں میں
سنو لوگو اس کی سزا چاہیئے

لگے ہے زمانہ مجھے اِک قفس
مجھے دو گھڑی بس ہوا چاہیئے

بھٹکتا ہوں نفرت کی وادی میں میں
ترا پیار حد سے سوا چاہیئے

اجل اُن کو مجھسے ذرا ملنے دے
میری زندگی کا صِلہ چاہیئے

تصوّر میں امجد میں جن کے بسا
وہی بس مجھے دِل رُبا چاہیئے



شبِ ہجر ہے یہ قیامت نہیں ہے
گھڑی بھر مرے دل کو راحت نہیں ہے

کبھی مُسکرانا، کبھی گُل کھلانا
بتاؤ کیا ان کی شرارت نہیں ہے

یہ آنکھوں میں آنسو یہ پیچیدہ زلفیں
وہ کہتے ہیں مجھ سے شرارت نہیں ہے

جَلا ہے نشیمن، لُٹا ہے چمن بھی
ملے گر بیاباں قباحت نہیں ہے

ہوا مہرباں آج، کچھ وقت ایسا
کسی کو زمانے میں راحت نہیں ہے

تباہی کی جانب جو لے جا رہی ہے
کوئی اور شئے ہے سیاست نہیں ہے

جَلا کر زمانے کو کہتا ہے انجلا
شرافت نہیں ہے شرافت نہیں ہے



پیام و سلام اُن کا آتا رہا
صِلہ لغزشوں کا مَیں پاتا رہا

غمِ عاشقی کی عنایت ہے یہ
ہر اک بار ٹھوکر ہی کھاتا رہا

عجب کشمکش میں، کٹی زندگی
غم و درد میں، مُسکراتا رہا

تمہیں کو بچانے میں کیسے کہوں
نئی ہر مصیبت، اُٹھاتا رہا

یہ منظر بھی، آنکھوں نے دیکھا کبھی
کہ زاھد کو، ساقی پلاتا رہا

شبِ ہجر ایسا ھوا ہے کبھی
وہ آیا نہیں، مَیں بُلاتا رہا

نظر اُس کی غیروں سے لڑنے لگی
اِدھر دل کو امجد جلاتا رہا

❖



زُلفوں کی آڑ لے کر، بچتے رہو گے کب تک
اپنی ہی آگ میں تم، جلتے رہو گے کب تک

عقل و خِرد کو کھو کر، خاموش کیوں کھڑے ہو
دھوکے میں راہزن کے، چلتے رہو گے کب تک

دنیا سمجھ رہی ہے، کیا ہو گیا ہے تم کو
نادانیوں سے اپنی، لُٹتے رہو گے کب تک

بن جاؤ مردِ میداں، لے کر کے نام اُس کا
ڈرتے رہو گے کب تک، تپتے رہو گے کب تک

آگے قدم بڑھاؤ، حق بات کے لئے تم
پچھلی حکایتوں کو، سُنتے رہو گے کب تک

فانی جہاں کے پیچھے سرِ مت کھپاؤ امجد
کچھ عافیت کی کر لو، بچتے رہو گے کب تک

✣



کس وقت ہم کو فکرِ عذاب و ثواب تھی
اُن کی نگاہ اپنے لئے خود شراب تھی

جس شب تمہارے ہجر نے سونے نہیں دیا
وہ شب ہمارے واسطے کتنی خراب تھی

کھائے فریب کتنے ہی ہم نے حیات میں
دیکھا جو غور سے، تو وہ راہِ سُراب تھی

باتوں کو اپنی چھوڑیئے، اپنا حساب کیا
ان کی جو بات تھی، وہ بڑی لاجواب تھی

تنہائیوں کا کچھ ہمیں احساس بھی نہ تھا
ہم تھے، ہمارا غم تھا، شبِ ماہتاب تھی

کیسے کہوں کہ، آرزو، پوری نہیں ہوئی
بربادی ہر قدم پہ مری کامیاب تھی

امجد ہم اپنے نقشِ قدم چھوڑ کر چلے
جو زندگی تھی اپنی، وہ مثلِ حباب تھی

☆



غموں میں جئے ہیں، ستم میں پلے ہیں
ابھی دل میں باقی بہت ولولے ہیں

کہاں تاب لائیں گے بادِ خزاں کی
جو گُل سایۂ گلستاں میں پلے ہیں

مرے پاس آنے سے پہلے یہ سوچو
مری زیست کے راستے دل جلے ہیں

یہ رازِ حقیقت سمجھ میں نہ آیا
کہاں سے چلے تھے، کدھر کو چلے ہیں

یہ کِس کا کرم ہے، یہ کِس کی نوازِش
خزاں آشنا جو میرے حوصلے ہیں

نہ کوئی ہمارا نہ ہم ہیں کِسی کے
زمانے کے دُشوار رستے چلے ہیں

ذرا ان سے امجد بتا دیجئے جا کر
مری آہ کے کتنے سورج ڈھلے ہیں



منزل کے قریب آکر رستے کا نہیں یارا
چھائی ہے گھٹا پھر بھی، پینے کا نہیں یارا

انصاف کے ماتھے پر، بدنامی کا ٹیکہ ہے
اب ایسے زمانے میں، جینے کا نہیں یارا

ہو لاکھ بھی رسوائی، ہم شوق سے سہہ لینگے
آنچ آئے اگر تم پر سہنے کا نہیں یارا

ہوتی ہے خطا ان سے کہتے ہیں ہمیں خاطی
ہے وقت ہی کچھ ایسا، کہنے کا نہیں یارا

ہر رخ سے نشیمن پر کیوں برق تڑپتی ہے
کھائے ہیں فریب اتنے بچنے کا نہیں یارا

ویسے تو اجالا تھا اس پر بھی لگی ٹھوکر
کچھ ایسے گرے یارو اٹھنے کا نہیں یارا

یہ کونسی منزل ہے کچھ ہم سے کہو امجد
جینے کا نہیں یارا، مرنے کا نہیں یارا



کوئی ہم سے ملنے پہ مائل ہوا ہے
پھر اِک درد، دل میں اُبھرنے لگا ہے

یہ دنیا ہمارے تو، پیچھے پڑی ہے
بتا اے مقدر، تجھے کیا ہوا ہے

چلے آؤ، بے خوف، دل میں ہمارے
خلوص و وفا کا، یہہ مرکز رہا ہے

نہ جانے کہاں ہم چلے، بے ارادہ
تمہارا پتا ہے، نہ اپنا پتا ہے

شبِ ہجر اپنی غضب سے کٹی ہے
دِیا بھی جلا اور دل بھی جلا ہے

یہی ہے بہت کچھ سکوں کو ہمارے
کہ اُس نے کبھی یاد، ہم کو کیا ہے

محبت نہیں ہے، تو آمجد بتاؤ
مرے دل میں کیوں درد حد سے سوا ہے



سہارا ہے تیرا، تجھی سے محبت
نہیں آج مجھکو، کسی سے محبّت

نہ گرجا، کلیسا، نہ مسجد نہ مندر
خدا پر بھروسہ، اُسی سے محبّت

گناہوں کا کچھ تو مداوا ہو یا رب
نہیں اب مجھے، زندگی سے محبّت

یہ کیسے کہوں اب وہ میرے نہیں ہیں
ہے نظروں سے اُن کی ٹپکتی محبّت

نمک میرے زخموں پہ چھڑکا کسی نے
چلو کام آئی کسی کی محبّت

ابھی کمسنی ہے، چلو تم سنبھل کے
ابھی عمر کیا ہے ابھی سے محبّت

بجز تیرے سر اور کہاں پر جھکے گا
ہوں بندہ تیرا، بندگی سے محبت

زمانہ تمہارا ہے، گردیدہ امجد
رکھو، تم سدا، ہر کسی سے محبت



زخم دل اپنا سی گیا کوئی
غم کے آنسو بھی پی گیا کوئی

آپ کیا آ گئے عیادت کو
مرنے والا بھی جی گیا کوئی

تاب کالی گھٹا کی، لا نہ سکا
ایک اور جام پی گیا کوئی

اتنی ہمت بھلا کہاں آتی
ان کے دل میں، کبھی گیا کوئی

یہ تو معلوم، یہی مقتل ہے
کس لئے آج بھی گیا کوئی

بزم اغیار میں ہوا رسوا
ہائے گھبرا کے ہی گیا کوئی

غم سے بہتر تو، موت ہے امجد
یوں تو جینے کو، جی گیا کوئی



زمانے کا لوگو یہی ماجرا ہے
کوئی ہنس رہا ہے کوئی رو رہا ہے

گھڑی دو گھڑی آپ آرام کر لیں
کہ منزل کو پانے بڑا فاصلہ ہے

نہ وہ آسکے، اور نہ پیغام بھیجا
محبت کا شاید یہی اک صلا ہے

زمانہ رہا صرف محوِ تماشہ
نقاب ان کے چہرے سے جب بھی ہٹا ہے

کوئی غم نہیں اب جفا کا تمہاری
زباں پر، مرا ذکر تو آگیا ہے

بتا حال رندوں کا کیا ہوگا ساقی
نہ پینے کو مئے ہے نہ کالی گھٹا ہے

حسینوں کی محفل سے تم دُور رہنا
کہ امجد کسی کو ستانا بُرا ہے

☆



وہ چشمِ کرم مجھ پر فرمائے تو اچھا ہے
پیغام کے بدلے میں خود آئے تو اچھا ہے

جب وقت بدلتا ہے، حالات بدلتے ہیں
ہر دھن پہ نیا باجا، بج جائے تو اچھا ہے

یہ مکر بھری دُنیا، قابو میں نہیں آتی
ویرانے سے دل میرا لگ جائے تو اچھا ہے

سانسوں میں، خیالوں میں آنکھوں کے اُجالوں میں
ہر یاد پر اپنی وہ، آ جائے تو اچھا ہے

گر تجھ کو جلانا ہے منظور نشیمن کو
اے برق مرے ہوتے تو آئے تو اچھا ہے

ویسے تو جہاں میں ہم بدنام ہیں رسوا ہیں
لیکن جو ہے دل میں وہ رہ جائے تو اچھا ہے

یہ ظلم و ستم امجدؔ کب تک سہے جائیں گے
اب عمر کا پیمانہ بھر جائے تو اچھا ہے

✻



آہ و غم میں سدا تلملاتے رہے
اس طرح زندگی، ہم سجاتے رہے

زمانے کے غم، ہم پہ جیسے بڑھنے لگے
اشک پی پی کے بھی مسکراتے رہے

آپ کی چاہ کا جب خیال آگیا
دل جلاتے رہے دل جلاتے رہے

آشیاں جب بھی تیار ہوتا گیا
برق کو خود ہی جا کر بلاتے رہے

ایک ہم تھے کہ اُن پر مٹے عمر بھر
عمر بھر وہ ہمیں آزماتے رہے

غم دیا آپ نے، ہر قدم پر ہمیں
آپ کا بارِ غم ہم اُٹھاتے رہے

ان کو امجد بھلانے کی کوشش جو کی
ہر قدم وہ ہمیں یاد آتے رہے

٭



مہرباں آپ جو بھولے سے مری جاں ہوں گے
ساری محفل کے لیئے موت کا ساماں ہوں گے

اتنا سج دھج کے تو میخانے میں مت آ ساقی
کتنے میخواروں کے اب چاک گریباں ہوں گے

درد کی بات ہے صاف آپ ہمیں یہ کہہ دیں
درد دیتے ہیں تو، کیا درد کے درماں ہوں گے

زندگی نے غمِ دنیا، غمِ جاناں ہی دیے
گر یہ احساں ہیں تو کیا خاک یہ احساں ہوں گے

عرش تڑپے گا، زمیں روئے گی، غم نکھریں گے
مری تربت پہ وہ آکر جو پشیماں ہوں گے

روٹھنے والے ذرا یہ بھی تو سوچا ہوتا
زندگی میں بھی ہماری کئی ارماں ہوں گے

دل لگانا ہے تو یہ سوچ لے امجد پہلے
قابلِ رحم تری زیست کے ارماں ہوں گے



عوض میں ستم کے، کرم مجھ کو دیدے
میں طالب ہوں غم ہی کا، غم مجھ کو دیدے

مجھے ناز ہوگا، عطاؤں پہ تیری
زیادہ کسی کو، تو کم مجھ کو دیدے

میرا سر جھکے گا نہ آگے کسی کے
تیرے غم کا ہی کچھ بھرم مجھ کو دیدے

تجھے ڈھونڈتا میں کہاں تک پھرونگا
کم از کم امیدِ کرم مجھ کو دیدے

جفاؤں میں تیری میں پاتا ہوں لذّت
ستم ہی براہِ کرم مجھ کو دیدے

اکیلا ہوں، صحرا ہے اور تیری یادیں
اب اتنا کرم، چشمِ نم مجھ کو دیدے

گنہگار امجد کی یہ ہے تمنّا
تیری جلوہ گاہِ ارم مجھ کو دیدے



یہ میرے خواب کی تعبیر نظر آتی ہے
سامنے پھر وہی تصویر نظر آتی ہے

مرے حالات جو خانوں میں بٹے ہیں لوگو
وقت کے ہاتھ میں تقدیر نظر آتی ہے

دل مرا شیفتۂ رنج و الم ہوتا ہے
جب خوشی کی کوئی تدبیر نظر آتی ہے

پھر سے شاید کسی ارمان کا خول ہوتا ہے
پاؤں میں پھر مرے زنجیر نظر آتی ہے

دل مرا ہو گیا، بیگانہ خوشی سے لوگو
یہ مرے درد کی تاثیر نظر آتی ہے

مرا قاتل بھی پشیماں نظر آتا ہے
تھرتھراتی ہوئی شمشیر نظر آتی ہے

ہائے تم کس کی جفاؤں سے خفا ہو امجد
غم میں ڈوبی ہوئی تحریر نظر آتی ہے۔



تباہی چمن کی، نہیں بے سبب ہے

یہ مانا نظر میں، تمہاری غضب ہے

ترا شکر مجھ سے ادا کیسے ہوگا

کہ جو بھی دیا تو نے وہ بے طلب ہے

اماں مجھ کو میری وفاؤں نے دیدی

ستمگر زمانے میں تیرا لقب ہے

ہر اک گل اداس، اور غمگیں ہیں کلیاں

چمن کا نظارا، بڑا ہی عجب ہے

اگر دیر کی تو نے، صدمہ رہے گا

ترا نام لیوا تو، اب جاں بہ لب ہے

ہو آنا تو آجاؤ، مرنے سے پہلے

پس مرگ آنا تو، اب بے سبب ہے

چلا جا رہا ہے، وہ صحرا بہ صحرا

پتہ خود کا بھی آج امجد کو کب ہے

٭



مری زندگی میں، مزہ تو نہیں ہے
جوانی کی یہ بھی سزا تو نہیں ہے

سیہ کاکلوں نے جو جکڑا ہے دل کو
کوئی میرے پیچھے بلا تو نہیں ہے

جفاؤں کی بارش رہے گی یہ کب تک
وفاؤں کا کوئی صلہ تو نہیں ہے

مجھے روز ملتا ہے ملتا رہا ہے
مگر وہ ابھی تک ملا تو نہیں ہے

ہر اک سے پتہ اُس کا میں پوچھتا ہوں
جو ہے پاس میرے جدا تو نہیں ہے

جو گذری ہے دل پر وہ کہتے ہیں امجد
مرا دردِ دل اب چھپا تو نہیں ہے

❁



جب سے اُن کا نظارا گیا
دل کو غم سے سنوارا گیا

ہائے مجبوریاں وقت کی
دامنِ دل پسارا گیا

راہزن جب ملے راہ میں
راہبر کو پکارا گیا

اُن کی آمد کے چرچے ہوئے
گھر کو اپنے سنوارا گیا

اُن کی چشمِ کرم پھر گئی
جو تھا حاصل سہارا گیا

بد نظر لگ نہ جائے کہیں
صدقہ ان کا اُتارا گیا

یاد امجد کی اغیار میں
نام لے کر پکارا گیا

٭



سہارے بھی ایسے، سہارے ملے
فریبِ نظر کے نظارے ملے

بہ ہر حال وہ مرے گھر آ گئے
چلو بعدِ مدت کنارے ملے

جو آئینہ دیکھا، پتہ چل گیا
سبھی مجھ کو قسمت کے مارے ملے

نہ ارمان پورے ہوئے عمر بھر
بنا جو نشیمن شرارے ملے

ستم رنج و غم چند رسوائیاں
یہی ہمسفر بس ہمارے ملے

کہاں چاندنی، اپنی قسمت میں تھی
فقط ٹمٹماتے ستارے ملے

کہاں آپ امجد چلے آ گئے
یہاں صرف اجل کے اشارے ملے

٭



اس جہاں کو خراب ہونا تھا
حُسن کو بے نقاب ہونا تھا

حق و ناحق کے فیصلے کے لئے
صاف میرا حساب ہونا تھا

اُن کا ہوتا رہا، سبھی پہ کرم
ہاں مجھ ہی پر عتاب ہونا تھا

ان کی آنکھوں میں جھانک لیتا ہوں
مجھ کو پینے شراب ہونا تھا

کشمکش بے خودی کی ایسی تھی
زندگی کو سراب ہونا تھا

وقت کی کروٹیں ارے توبہ
درد کو لاجواب ہونا تھا

ان کی روداد حق بجانب تھی
اور مجھے محوِ خواب ہونا تھا

ہو گیا راز دل، عیاں لوگو
چہرہ، دل کی کتاب ہونا تھا

عہد پیری لپٹ گیا امجد
ہائے پھر سے شباب ہونا تھا



اپنی حالت، یہ ہو گئی ہے اب
زندگی تھک کے سو گئی ہے اب

کوئی ہمدرد دے پتا ہم کو
دل سی اک چیز کھو گئی ہے اب

مسکراہٹ، تمہارے چہرے کی
میرے اشکوں کو دھو گئی ہے اب

بڑھتے بڑھتے یہ بے رُخی تیری
دِل کی کشتی ڈبو گئی ہے اب

غم نہیں ہے کہ ہو گئے رُسوا
غم یہ ہے بات تو گئی ہے اب

اپنے دل سے اُلجھ پڑے امجد
دل سے یاد ان کی جو گئی ہے اب



دَوا دردِ دل کی بٹے گی کہاں
ہَوا پیار کی، اب چلے گی کہاں
اگر زُلف چہرہ پہ آکر رُکے
بتا چاندنی پھر ڈھلے گی کہاں
جو تو دُور ہم سے رہے گا سدا
تو پھر بات اپنی بنے گی کہاں

نہ جادہ، نہ منزل، نہ تیرا پتہ
شبِ ہجر آخر کٹے گی کہاں
چمن میں اگر، تو ہی رُک کر رہے
بہارِ چمن پھر رُکے گی کہاں
اندھیرا مقدّر میں ہے دوستو
بھلا روشنی پھر پڑے گی کہاں
لحد میں تو امجد کی کٹ جائے گی
بتا زندگی تو رہے گی کہاں

☆



ساغر کی کھنک میں نہ گھٹاؤں میں اثر ہے
بے تاب جگر ہے کبھی بے چین نظر ہے

وارفتگیٔ شوق نے اِس موڑ پہ چھوڑا
گلشن نہ بیاباں ہے فقط راہگذر ہے

وہ مجھسے ہیں ناراض و خفا اور میں بدظن
شاید یہ اُن اُلجھے ہوئے گیسو کا اثر ہے

کیا ہم نے خطا کی ہے فقط پیار کیا ہے
کیوں ہم پہ، خدا جانے، زمانے کی نظر ہے

اِک بات میں پوچھوں، ذرا اتنا تو بتا دے
انجان ہے کیوں مجھ سے تو کیا مجھ میں کسر ہے

غیروں کو بُلا کے، نہ سجاؤ کبھی محفل
فتنے نہ اُٹھیں مجھکو اسی بات کا ڈر ہے

مسرور ہے امجد جو ترے غم کو ہی پاکر
محسوس یہ ہوتا ہے کہ اُلفت کا اثر ہے

☆



للچائی نظر کہتی ہے شیشہ میں پری ہے
کہتی ہے گھٹا جھوم کے پینے کی گھڑی ہے

اے اہلِ جہاں سُن تو لو، مانو کہ نہ مانو
جو بات میں کہتا ہوں سو وہ بات کھری ہے

جب یاد اسے کرتا ہوں وہ آجاتا ہے اکثر
اللہ کی رحمت ہے کہ عمر اُس کی بڑی ہے

جینے کا نہ امکان رہا ہائے کہوں کیا
کس شوخ سے جا کر یہ نظر آج لڑی ہے

ناکردہ گنہگار ہوں، مجبور ہوں بے بس
قاتل کی نظر مجھ پہ ہی لے دے کے پڑی ہے

آجاؤ خیالوں میں کہ مجبوری تمہیں کیا
جانے نہ اُسے کوئی یہی ایک گھڑی ہے

امجد تمہیں کس وقت یہ یاد آئی ہے توبہ
جب سر پہ ملاقات کو موت آن کھڑی ہے

☆



دیکھتے ہی دیکھتے، بس دل کے ٹکڑے ہو گئے
ہم نوالہ، ہم پیالہ، راہ میں ہی سو گئے

کون جانے کیا ہوا اور کب ہوا کیونکر ہوا
تھا زباں پر نام میرا، روتے روتے سو گئے

یہ ہجومِ عاشقاں اور بے قراری بیکراں
جس طرف سے آپ گذرے تخمِ اُلفت بو گئے

کس پہ کیا گذری بھلا احساس ہی کیا آپ کو
عشق کی اس راہ میں کتنے ہی قربان ہو گئے

اِک ذراسی بے رُخی، کتنوں کو مُردہ کر گئی
کل تلک زندہ جو تھے، وہ آج ہیں پھر سو گئے

آؤ بیٹھو دو گھڑی الفت کی باتیں تو کریں
کب تلک یہ بے قراری کس لئے تم کھو گئے

امجد ان کی آنکھوں میں آنسو نظر آتے تھیں
مرنے والے مر گئے اور رونے والے رو گئے



اب قول و فعل کا بھی بھروسہ نہیں رہا
سمجھے تھے جس کو اپنا، وہ اپنا نہیں رہا

دُنیا کی کلفتوں نے، کمر اپنی توڑ دی
سر میں جنونِ عشق کا سودا نہیں رہا

شب بھر کی میکشی نے دکھایا ہے وہ اثر
ظاہر ہے متقی کا بھی تقویٰ نہیں رہا

برباد کر کے ہنستی ہے، دنیا غریب پر
اب زخمِ زندگی کا، مداوا نہیں رہا

آیا جو ہاتھ جام، وہ لبریز ہی تو تھا
چشمِ کرم کے صدقے، میں تشنہ نہیں رہا

اپنا لیا ہے غم ترا، خوشیوں کو چھوڑ کر
جب سے ملا یہ غم، کوئی اپنا نہیں رہا

آدابِ شاعری میں، یہ فن کو نکھار دے
کوشش رہی صِلہ مگر اس کا نہیں رہا

جمہوریت کا دَور بھی کیا خوب دَور ہے
امجد یہاں کوئی، ادنیٰ و اعلیٰ نہیں رہا!



دھوکے میں آج میری، جو تصویر لی گئی
اُلفت کی یہ کہانی، ہر اک سے سُنی گئی

پینے پلانے کا تو میں، قائل نہیں مگر
غم کو بُھلانے کے لئے تھوڑی سی پی گئی

مَیں تیز گام تھا، مجھے کوئی خبر نہ تھی
راہوں میں جانے کس طرح، تیری گلی گئی

غم کے سوا مِلا نہ ہمیں کچھ حیات میں
آنسو بہائے اتنے کہ، زندہ دِلی گئی

ان سے نہ مل سکا، مجھے اتنا تو غم نہیں
افسوس تھا یہی کہ، میری زندگی گئی

اِک بار ان کو دیکھا تو، اب تک ہوں بیقرار
ساری ہنسی گئی، مری ساری خوشی گئی

ویسے سُکون چین مسرت، سبھی ملے
امجد تمہارے چہرے کی، کیوں تازگی گئی



روٹھے ہوئے کو پھر سے منانا ہی پڑ گیا
اخلاص، پیار اپنا بڑھانا ہی پڑ گیا

اُلفت کی بارگاہ کا نقشہ یہی تو ہے
جلتا اگر ہے دل تو جلانا ہی پڑ گیا

لُطف و کرم سے تم بھی جو محروم ہو گئے
ویرانیوں سے دل کو لگانا ہی پڑ گیا

اِس راہ میں ہر ایک نے کی غم سے دوستی
سر پر جو آفتیں ہیں اٹھانا ہی پڑ گیا

کچھ کرنا چاہتے ہو تو کر کے دکھا بھی دو
دھارے کے ساتھ خود کو بہانا ہی پڑ گیا

اِک حد ہے بے وفائی کی تم کو خبر نہیں
اپنی وفا کو آج جتانا ہی پڑ گیا

امجد مقابلہ تمہیں کرنا ہے دہر سے
ہر اِک بلا کو سر سے ٹلانا ہی پڑ گیا



مجھے بھی خبر ہے، اُسے بھی خبر ہے
محبّت کا چھایا، ہر اک پر اثر ہے

مرے دل میں اِک بار آکر تو دیکھو
جھجھکنا یہ کیسا، تمہارا ہی گھر ہے

نہ ہے مجھ کو رغبت، نہ ہے تم کو چاہت
ہر اِک دوسرے کے لئے دردِ سر ہے

رکھا تھا جسے میں نے سینے میں لو گو
وہی رازِ دل آج کیوں دَربدر ہے

نہ کوئے بُتاں ہے، نہ مندر نہ مسجد
ہمارا تو دِل شیشہ کا اِک نگر ہے

مَیں کس موڑ پر آکے ٹھیرا ہوں آخر
نہ اُن کی خبر ہے نہ اپنی خبر ہے

مرے فن کی امجد ستایش تو کیجئے
نظر میں کوئی ایسا اہلِ نظر ہے

✢



پھر سے اُلفت، وہ جتانے آئے
دِل کے زخموں کو سجانے آئے

غیر ہیں آج، وہ کل اپنے تھے
ہائے یہ کیسے، زمانے آئے

پاس آنے سے، جو کتراتے تھے
رسمِ اُلفت، وہ نبھانے آئے

یہ پھر اِک طرزِ وفاداری تھا
کرتے کرتے، وہ بہانے آئے

وہ جو چلمن میں رہا کرتے تھے
محفلِ یار، سجانے آئے

ایسا ہوتا ہی، چلا آیا ہے
ہم گئے، وہ نہ بُلانے آئے

انتہا، پیار کی، امجد دیکھو
وہ مرے ہوش اُڑانے آئے



نہ اُس کی خطا ہے، نہ میری خطا ہے
مگر اُس کا جلوہ غضب کر گیا ہے

خفا وہ اگر ہے، تو کچھ غم نہیں ہے
اُسی کے سہارے کوئی جی گیا ہے

غموں کے سوا، کون ہے اُس کا ساتھی
مقدر میں اُس کے یہی تو لکھا ہے

تُو اتنا بتا دے، چلایا تھا کس پر
وہ تیرِ محبت، کہاں پر لگا ہے

یہ مانوں اگر مَیں، وہ میرا نہیں ہے
تو کانوں میں آتی یہ کس کی صدا ہے

وفا سے نہیں ہے، اُسے کوئی رغبت
یہ ظلم و ستم بھی تو اُس کی ادا ہے

دھرو کان امجد کی باتوں پہ یارو
وہ جو کچھ بھی کہتا ہے بالکل بجا ہے



جو بچپن گیا تو شباب آگیا
نظر جو ملی، بس حجاب آگیا

تری زُلف میں پھر سے آئے ہیں خم
جوانی کا نشہ شتاب آگیا

جو دیکھا تو، ہاتھ اپنا سینہ پہ تھا
محبّت کا جب ہم کو خواب آگیا

ملیں اِن سے نظریں تو ایسا لگا
میرے ہاتھ، جامِ شراب آگیا

تکلّم، ترنّم بھی ہونے لگا
پیامِ محبّت کا، باب آگیا

میں سمجھا تھا، ہے مُفت کی ساقیا
ترے میکدے کا حِساب آگیا

ملے گا نہ امجدؔ سکوں اب کبھی
نگاہوں کا اُن کی عِتاب آگیا

٭



جھکا دل تو سجدہ روا ہوگیا
مرا فرض اب تو ادا ہوگیا

ذرا سانس لینے کی فرصت ملی
نشانہ کسی کا خطا ہوگیا

ہماری تباہی پہ نازاں ہیں سب
لُٹے ہم جہاں کو مزا ہوگیا

کرم اُس کا غیروں پہ ہونے لگا
تو میرے لئے یہ بُرا ہوگیا

نظارا جو اُس کا ہوا ایکبار
دوا کا نہ ہوتا دوا ہوگیا

یہ دل آپ کا تھا دیا آپ کو
محبت کا حق، تو ادا ہوگیا

میری صاف گوئی تھی اچھی مگر
سُنا ہے وہ مجھ سے خفا ہوگیا



مقدّر کا چکر تو، چلتا رہے گا
ہر آنسو تبسم میں ڈھلتا رہے گا

یہ قدرت ہے اُسکی، وہی اُسکو جانے
بگڑتا ہے جو، وہ سنبھلتا رہے گا

رہِ عاشقی میں، تو یہ بھی ہے ممکن
کہ جلنا ہے جس کو، وہ جلتا رہے گا

تمہیں جو بھی کرنا ہے کر کے دِکھا دو
زمانہ ہمیشہ بدلتا رہے گا

لکھی جس کی قسمت میں ناکامیاں ہوں
وہ ہاتھوں کو تو اپنے مَلتا رہے گا

خوشی ہو کہ غم حادثہ ہو کہ ماتم
بہ ہر حال یہ وقت چلتا رہے گا

نرالی طبیعت ہے آمجد نے پائی
مچلتا ہوا دل، مچلتا رہے گا



ہوئے بے نور تارے قمر کے بغیر
شبِ ہجر گذری سحر کے بغیر

گناہوں سے توبہ، تو کی ہے مگر
ملے گی نہ جنت، اثر کے بغیر

خموشی میں ان کی عجب اثر ہے
ہوا عشق کیسے، نظر کے بغیر

عوام سے رہتا ہے، اپنا وجود
مقامِ شجر کیا، ثمر کے بغیر

سرِ شمع پروانہ مجبور ہے
وہ کیا اُڑ سکے، بال و پر کے بغیر

مجھے کر کے بے گھر تمہیں کیا مِلا
رہوں کیسے زندہ میں گھر کے بغیر

عجب حال امجد کا ہے دوستو
سفر میں ہے ہر دم، سفر کے بغیر



نظروں میں اُس کی جب سے اقرار ہو گیا ہے
سارے جہاں کا دل یہ مختار ہو گیا ہے

وہ آئیں یا نہ آئیں اُمید مر چکی ہے
یہ مرحلہ بھی اب تو دشوار ہو گیا ہے

حسرت نکالنے کو محفل میں ہم جو آئے
آنا یہاں پر اپنا، بیکار ہو گیا ہے

لے کر میں کیا کرونگا سارے جہاں کی دولت
جب تو ہی مجھ سے یارب بیزار ہو گیا ہے

آنکھیں کھلیں تو دیکھا پہلو ہے خالی خالی
خوابوں میں ان کا آنا، آزار ہو گیا ہے

ٹھہرا تھا راہ تکتے، تیرے لئے ہی ہمدم
صد شکر تیرا مجھ کو، دیدار ہو گیا ہے

دوری سے تنگ آکر، بدنامیوں کے ڈر سے
امجد بھی کچھ دنوں سے خوددار ہو گیا ہے



ظلم و ستم کا اُس کے، اظہار کیا کریں گے
اس جانِ بے وفا سے تکرار کیا کریں گے

دورِ خزاں میں بیٹھے آنسو بہا رہے ہیں
گلزار سے نکل کر ناچار کیا کریں گے

اُلفت بھی تم نے کی ہے، ماتم بھی کر رہے ہو
اہلِ زمانہ اس پر اظہار کیا کریں گے

روزِ ازل سے اُس کی شاید یہی روِش ہے
ایسے مزاج پر ہم انکار کیا کریں گے

ہر ایک جان گر ہی ضربیں لگا رہا ہے
ماحول جب ہو ایسا، خوددار کیا کریں گے

واپس تو دل کا لینا، آساں نہیں ہے اتنا
مرضی یہی ہے اس کی، اصرار کیا کریں گے

دینی تھی جان اپنی، دیدی ہے اک نظر میں
مائل ہی جب نہیں دل، سرکار کیا کریں گے

گزرے دنوں کا امجد اظہار کس طرح ہو
بدنامیوں کا ڈر ہے، اقرار کیا کریں گے



بہاروں کا موسم خزاں ہو گیا ہے
مقدر ہمارا کہاں سو گیا ہے

قضاء و قدر کے مسائل عجب ہیں
نہ لوٹا عدم کی طرف جو گیا ہے

ملے گی کہاں روشنی اب نظر کو
اُجالا، اندھیروں میں اب کھو گیا ہے

اگر جلد آتے تو کچھ بات ہوتی
جگاؤ نہ اس کو ابھی سو گیا ہے

ستاؤ نہ اُس کو لحد میں خدارا
ابھی آنسوؤں سے وہ مُنہ دھو گیا ہے

بڑی مشکلوں سے سنبھالا تھا دل کو
بتاؤ کہاں ہے، کہاں کھو گیا ہے

کہاں کا سکوں، چَین کیسا ہے امجد
مرے حال پہ ہر کوئی رو گیا ہے

✿



نہ منزل ہے میری نہ کوئی نشاں ہے
تعجب میں ہوں میں یہ کیسا جہاں ہے

عجب یہ زمیں ہے عجب آسماں ہے
نہ مندر نہ مسجد نہ کوئے بتاں ہے

ہر اک مبتلا ہے پریشانیوں میں
سکوں ڈھونڈتے ہیں مگر وہ کہاں ہے

تڑپ بجلیوں کی سنبھلنے نہ دے گی
نشیمن کا جلنا بہر سو عیاں ہے

ہر اک در نے مجھ کو تو ٹھکرا دیا ہے
ترا در جو چھوٹے تو پھر در کہاں ہے

بظاہر ہے شاداں یہ چہرہ خوشی سے
دکھاؤں میں کیسے جو دردِ نہاں ہے

خزاں میں ہی پلنا مقدر ہے میرا
بہاروں میں جینا مقدر کہاں ہے

انھیں کیا ضرورت ہے خنجر کی امجد
کہ خنجر سے بھی تیز جنکی زباں ہے



اِس دَور میں بھی یارو، بیزار بہت سے ہیں
ہر گوشۂ دُنیا میں، آزار بہت سے ہیں

سَاقی ترا میخانہ، کیوں تنگ ہوا ہم پر
پینے کے لیئے یاں تو، میخوار بہت سے ہیں

محفل تو سجائی تھی اپنوں کے لئے لیکن
جاتے ہیں جہاں پر بھی، اغیار بہت سے ہیں

آواز تو اُٹھتی ہے فِتنوں کو دبانے کی
افسوس مگر یہ ہے، اشرار بہت سے ہیں

اللہ محافظ ہے اَب دولتِ ایماں کا
بدلے ہوئے چہروں میں دیندار بہت سے ہیں

دُنیا تو یہ فَانی ہے، یہ سوچنا بہتر ہے
دولت کے نشہ میں یاں، سرشار بہت سے ہیں

یہ ہجر کی راتیں ہیں، دُوری ہے، جُدائی ہے
تنہائی سے **اَمجد** ہم بیزار بہت سے ہیں

☆



سلامت رہو تم، بھلا ہو کسی کا
محبت کا بدلا ادا ہو کسی کا

بِلا وجہ کیوں تو اُلجھنے لگا ہے
ذرا غور سے سُن گِلا ہو کسی کا

نہ جل آگ میں تو، حسد کی کبھی بھی
مقدّر میں جو ہے، بِلا ہو کسی کا

عجب ہیں مسائل قضاو قدر کے
فلک سے ستارا ڈھلا ہو کسی کا

جلی شمع، پروانے منڈلا کے آئے
جلاتی ہے خود کو بھلا ہو کسی کا

یہ کس کی گلی ہے، یہ میلا ہے کیسا
کہ جادو یہاں پر چلا ہو کسی کا

تمہیں اِس سے مطلب نہیں کوئی اَمجد
انگوٹھی میں موتی جڑا ہو کسی کا

٭



مجھے اب کوئی غم نہیں ہے جفا کا
بھروسہ نہیں ہے تمہاری وفا کا

ذرا بچ کے چلنا تو بادِ صبا سے
کہیں سر سے آنچل نہ سرکے حیا کا

پلا جام ساقی، تو ہر تشنہ لب کو
پلٹ جائے گا رخ، غموں کی ہوا کا

یہ نغمے چمن میں، یہ کلیوں کا کھلنا
کرشمہ ہے یہ سب تمہاری ادا کا

کٹی عمر میری، وفا بانٹنے میں
صلہ ملنے والا ہی، کیا ہے وفا کا

فقط دل کی تسکیں کا ساماں نہ کرنا
جو تو ہاتھ اٹھائے اثر ہو دعا کا

زمانہ ڈرائے گا کیا مجھ کو امجد
بھروسہ ہمیشہ ہے مجھ کو خدا کا



ترے ظلم سہتے، گذرتے گئے دن
غموں کے سہارے، سنورتے گئے دن

جفاؤں کا مجھ کو کوئی غم نہیں ہے
اداؤں سے تیری نکھرتے گئے دن

زمانے کی گردش، عجب رنگ پر ہے
یہاں ہر قدم پر بکھرتے گئے دن

یہ ہم سے نہ پوچھو کہ کیسی کٹی ہے
گذارے نہیں ہیں، گذرتے گئے دن

کبھی وقت محتاج، ہوتا نہیں ہے
جو کام اپنا کرنا تھا کرتے گئے دن

مری میکشی کا ہوا، الزام کس پر
پلاتے رہے اور مکرتے گئے دن

ہر اک دن وفادار ثابت ہوا ہے
مرے جب بھی امجد گذرتے گئے دن

✤

○

تو آجائے تو مجھ پہ احسان ہوگا
تری دید کا کچھ تو سامان ہوگا

اگر آزمانا ہے تم کو تو آؤ
جگر دل ہر اک تم پہ قربان ہوگا

تمہارے تغافل کی حد بھی ہے کوئی
کوئی عمر ساری پریشان ہوگا

قیامت کے ڈر سے دھڑکتا ہے یہ دل
چلو ساتھ میرے یہ احسان ہوگا

تری یاد ہے میرے غم کا مداوا
تری یاد آئے تو درمان ہوگا

خموشی سے تیری مکدر فضا ہے
محبت کی دنیا میں ہیجان ہوگا

ذرا غور سے جھانک کر دیکھو امجدؔ
زمانے میں کوئی تو انسان ہوگا

○

بکھرا تو ذرا دینا زلفوں کی گھٹاؤں کو
تسکین تو ہو جائے کچھ میری وفاؤں کو

مدت سے تڑپتے ہیں، جذبات محبت کے
دیکھیں تو کہاں دیکھیں اب انکی اداؤں کو

زاہد کو لیے ہم تو آئے تھے ترے در پر
کیا ہو گیا اے ساقی ان کالی گھٹاؤں کو

تو رحم کے بدلے ہیں بس ہم پہ جفا کرنا
سینے سے لگا لیں گے ہم تیری جفاؤں کو

انبار گناہوں کا اٹھنے ہی نہیں دیتا
میں ڈھونڈتا پھرتا ہوں بس تیری عطاؤں کو

دیکھا نہیں جاتا ہے ملتے ہیں جہاں دو دل
کیا روگ لگا ہے یہ دنیا کی فضاؤں کو

بے راہ روی نے ہی امجد کو بگاڑا ہے
اب بخش دے اے مالک تو اس کی خطاؤں کو

ہم آئے نہیں ہیں بلائے گئے ہیں
نہ جانے ہوا کیا اٹھائے گئے ہیں

کبھی اُن کا ہم پر کرم ہی نہیں ہے
کہ ہر ہر قدم پر ستائے گئے ہیں

یہ شہرِ خموشاں کا منظر عجب ہے
ہزاروں یہاں پر سُلائے گئے ہیں

وہ جیسے کہ واقف نہیں ہم سے اب تک
بھری بزم سے یوں اُٹھائے گئے ہیں

محبت کی دنیا میں ہوتا ہے سب کچھ
رُلائے گئے ہیں ہنسائے گئے ہیں

یہ ان کا کرم ہے یہ ان کی عنایت
ہمیں جامِ اُلفت پلائے گئے ہیں

غمِ عاشقی میں گھرے ایسے امجدؔ
جو تھے چند آنسو بہائے گئے ہیں

O

یادوں نے تیری مجھکو دیوانہ کر دیا ہے
سارے جہاں سے تو نے بیگانہ کر دیا ہے

تیرے کرم کے صدقے اپنوں سے دور کر کے
بے تاب زندگی کو افسانہ کر دیا ہے

دیکھا ہے جب سے تجھکو دیوانہ ہو گیا ہوں
تیری ادا نے مجھ کو مستانہ کر دیا ہے

اتنی پلائی تو نے ہوش و خرد بھی گم ہیں
نظروں کو تو نے جب سے میخانہ کر دیا ہے

اۓ حادثو تمہارا احسان کیا ادا ہو
کتنے ہی غافلوں کو فرزانہ کر دیا ہے

گم گشتہ کارواں کا چلتا نہیں پتہ اب
اچھا ہوا کہ تو نے دیوانہ کر دیا ہے

کیا کیا کیا نہ تو نے امجد روش بدل کر
خوش حال زندگی کو ویرانہ کر دیا ہے



دیدار کی حسرت میں ہر شئے کو لٹا ڈالا
کاکل کی گھٹاؤں میں دل اپنا پھنسا ڈالا

طوفان میں کشتی تھی، لہروں سے لڑائی تھی
رحمت نے مگر اس کو ساحل سے لگا ڈالا

بجلی تو تڑپتی ہے، ہر آن لپکتی ہے
غم کچھ بھی نہیں ہم کو گلشن جو جلا ڈالا

دوری سے تری تھک کر مایوس ہوئے ایسے
جو زخم تھے سینے میں ناسور بنا ڈالا

الزام نہ دو ہم تو حق بات کے قائل ہیں
اُٹھتے ہوئے فتنوں کو ہر آن دبا ڈالا

آنسو کی روانی نے کام اپنا کیا آخر
نشتر جو لگے دل پر مرہم سا لگا ڈالا

بدنام رہے امجد یہ نام تو ہے اُن کا
حق بات پہ اُس نے تو دنیا کو جھکا ڈالا



کرنا تھا جو بھی آپ کو وہ کام کر گئے
گھٹ گھٹ کے ہم کو مرنا تھا خاموش مر گئے

اک آپ تھے جو ساری خطاؤں سے دور تھے
الزام جتنے آئے وہ اپنے ہی سر گئے

یہ زندگی پرائی تھی، جینا فضول تھا
مالک نے جب بلایا خوشی سے گذر گئے

دنیا کی اُلجھنیں تو سدا ساتھ تھیں مگر
جو کام ہم کو کرنا تھا وہ کام کر گئے

یارب تیرا کرم تھا، عنایت تھی بس تری
جس راہ پر گئے تو بڑے بے خطر گئے

اہلِ خرد میں نام ہمارا سدا رہا
دیوانہ جان کر ہمیں الزام دھر گئے

جب تک میں ان کے ساتھ تھا انجان وہ رہے
جب میں گیا تو کہتے ہیں امجد کدھر گئے



نظر تھک گئی جب نظارے کہاں
محبت میں ہمدم سہارے کہاں

ہر اک ناخدا جب خدا بن گیا
تو پھر کشتیوں کو کنارے کہاں

تباہی نے ہنگامہ برپا کیا
مصیبت کے دن ہیں سہارے کہاں

نشیمن اگر خود ہی جلنے لگے
تو جائیں گے شعلے شرارے کہاں

خوشی ہم سے کافور سی ہو گئی
یہ غم آپ کے ہیں ہمارے کہاں

اگر تو ہی ناراض ہم سے رہے
کوئی اپنا دامن پسارے کہاں

خوشی کے وہ امجدؔ کہاں دن رہے
ہمارے نہیں تو تمہارے کہاں



بکتا ہے حسن بھی سرِ بازار دیکھئے
کتنے کھڑے ہوئے ہیں خریدار دیکھئے

زنداں کو کھولے جانے کے آثار ہیں بہت
رہنا ہے آپ کو یہاں بیدار دیکھئے

ساقی کی اِک نگاہِ کرم کا اثر ہے یہ
جو پارسا تھے اب ہیں وہ میخوار دیکھئے

حیرت فزا ہیں کتنی زمانے کی کروٹیں
اپنوں کو چھوڑ غیروں سے ہے پیار دیکھئے

کیجے نہ فیصلہ کوئی صورت کو دیکھ کر
اندر کا حال دیکھئے کردار دیکھئے

امجد یہ مان لیجیئے مطلب کی بات ہے
تڑپیں گے روزِ حشر گنہگار دیکھئے



دل کو اِک پیچ و تاب میں دیکھا
جب بھی دیکھا عذاب میں دیکھا

ہجر کی شب ہے اور تنہائی
لمحہ لمحہ عذاب میں دیکھا

زندگی لوگ، جس کو کہتے ہیں
وہ مزہ تو شباب میں دیکھا

جاگنے پر نہیں ملا، کچھ بھی
جو بھی دیکھا وہ خواب میں دیکھا

مفلسی، کس مپرسی، بے تابی
کیا جہانِ خراب میں دیکھا

بے خودی کا مزہ میرے دل نے
اُس نظر کی شراب میں دیکھا

رُخ پہ سُرخی، نگاہ میں ہلچل
اس کو دل کی کتاب میں دیکھا

یہ حقیقت تھی یا فریب امجد
اِک تماشا سراب میں دیکھا



ہم نے کیا کیا نہ کیا، اُن کو بُلانے کے لیئے
پر وہ ٹھانے ہی رہے، دل میں ستانے کے لئے

آپ اک بار ذرا جھانک کے دیکھیں تو سہی
دل سی سوغات میں لایا ہوں تمانے کے لیئے

مر کے بھی ہم تو اکیلے کے اکیلے ہی رہے
کون آئے گا بھلا، لاش اُٹھانے کے لئے

حسرت و یاس کی چوکھٹ پہ گذاری دُنیا
دمِ آخر وہ چلے آئے، لُبھانے کے لئے

آ تو سکتے ہیں مگر کون انھیں سمجھائے
دُور رہنا ہے اُنھیں آگ لگانے کے لئے

غیر سے دوستی، بیگانگی آپ اپنے سے
کیا نہ کرنا ہے مجھے اُنکو منانے کے لئے

آج مخمور نگاہوں کا لیئے جام امجدؔ
کوئی آیا ہے مری پیاس بجھانے کے لئے

٭



جدائی نے تیری ستم ڈھا دیا ہے
غمِ زندگانی نے تڑپا دیا ہے

نظر میں کوئی شئے سماتی نہیں ہے
بتا تو نے آخر مجھے کیا دیا ہے

مَیں گلشن کو شاداب کرنے چلا ہوں
خزاں نے جسے آ کے مُرجھا دیا ہے

اُسی نے مجھے مُڑ کے دیکھا نہیں ہے
مری زیست کو جس نے ترسا دیا ہے

ارے جانے والے، ذرا پوچھ لیتا
وفا کا صِلہ تُو نے کیا کیا دیا ہے

بتاؤ اُسے کس طرح مَیں بھُلاؤں
جو بھُولا نہ جائے وہ صدمہ دیا ہے

یہ کیا کم ہے، اے اہلِ محفل بتاؤ
کہ امجد نے محفل کو گرما دیا ہے

*



خفتۂ احساس جگانے کو چلا ہے کوئی
دِل میں پھر جھانکنے آمادہ ہوا ہے کوئی

کون کہتا ہے کہ مرنے سے سکوں ملتا ہے
سُن کے قدموں کی صدا جاگ اُٹھا ہے کوئی

ظُلم جب حد سے سوا ہونے لگا ہے تیرا
آتشِ غم میں تیری زندہ جلا ہے کوئی

دھڑکنیں دل کی سنبھلنے ہی کہاں دیتی ہیں
آج شاید میرے پہلو سے گیا ہے کوئی

تجھ کو اندازہ نہیں ہے مری چاہت کا ابھی
عمر ساری تیری باہوں میں کٹا ہے کوئی

مُڑ کے تو دیکھ ذرا آتی ہے آہٹ کس کی
حشر کے دن بھی تیرے ساتھ چلا ہے کوئی

پہلے آنکھوں میں سمانے کی قسم کھائی تھی
آج مُنہ موڑ کے امجد سے چلا ہے کوئی

٭

جب یاد میری آئے خوابوں میں بلا لینا
دنیا کی نگاہوں سے تم مجھ کو چھپا لینا
اک جام محبت کا ہاتھوں سے پلا دینا
بھٹکا ہوا راہی ہوں باہوں میں چھپا لینا
میں نے تو نہیں مانگا تم ہی نے دیا دل کو
اب اتنی تمنا ہے سینے سے لگا لینا
غیروں کی طرح مجھ سے یوں دور نہیں ہٹنا
چھوٹے نہ کہیں دامن وعدوں کو نبھا لینا
اب دل کے اندھیروں کا اک تم ہی مداوا ہو
آ کر دل ویراں میں تم شمع جلا لینا
حالات بگڑتے ہیں بس عزم جواں رکھو
اٹھتا ہے اگر طوفاں سینے میں دبا لینا
تصویر سے تم امجد باتیں نہ کرو اپنی
جب سامنا ہو جائے سینے سے لگا لینا



رُلانے سے پہلے ہنسی آگئی
نہ جانے کہاں سے خوشی آگئی

تمہیں دیکھ کر جب سے بیخود ہوں میں
میری زیست میں اک خودی آگئی

نہ وہ سن سکا میری روداد غم
کہ پلکوں پہ اس کی نمی آگئی

الٰہی بتا تو ہے کیا ماجرا
مرا سم میں کیسے کمی آگئی

خدا کی خدائی ہے یہ دوستو
خودی سے ہٹے بے خودی آگئی

عنایت یہ حسن مجسّم کی ہے
بہت لذتِ میکشی آگئی

ہے امجد تڑپتا مقدر مرا
کہ چاہت میں اس کی کمی آگئی

○

میرے واسطے اب ستم بھی کرم ہے
مری زندگی کا یہی تو بھرم ہے

جوانی کسی کی ابھرنے لگی ہے
تبسم ہے ہونٹوں پہ زلفوں میں خم ہے

کچھ اس طرح پھیلی ہے آنکھوں میں نفرت
محبت کی بو آج ہر دل میں کم ہے

تجھے دیکھنے کو ترستی ہیں آنکھیں
تو آئے خوشی ہے نہ آئے کرم ہے

بھلی بات بھی اب بری لگ رہی ہے
زمانے پہ چھایا عجب یہ ستم ہے

وہ طرزِ بیاں ان کا کیسے بیاں ہو
زباں ہے جو شیریں تو لہجہ میں دم ہے

کچھ اس طرح امجد کٹی زندگانی
نہ کوئی خوشی ہے نہ اب کوئی غم ہے



حیات اس طرح سے سجائی گئی ہے
ہر اک یاد دل میں بسائی گئی ہے

یہ آنسو نہیں خون ہے اس جگر کا
یہاں پر تو دنیا بسائی گئی ہے

برا گر نہ مانو تو اتنا بتا دو
میری عمر کیسے گنوائی گئی ہے

جلا کر مرا دل چراغوں کی صورت
شبِ غم کی رونق بڑھائی گئی ہے

خدا جانے کیوں آرزوں کی بستی
بسائی گئی ہے مٹائی گئی ہے

نہیں سن سکا کوئی رودادِ الفت
بڑی مشکلوں سے سنائی گئی ہے

یہ کیسا کرم ہے بتاؤ تو امجد
عجب چوٹ دل پر لگائی گئی ہے



جب سے نظر ملی ہے ہر ایک غم گیا ہے
کاکل کے پیچ و خم میں سارا بھرم گیا ہے

دل سے جو آہ نکلی ساری فضا پہ پھیلی
بادل امنڈ امنڈ کے، وہ خود ہی تھم گیا ہے

راہیں ہزار نکلیں پھر بھی قدم رُکے تھے
ان کی گلی کی جانب اپنا قدم گیا ہے

دلچسپیاں تو دیکھو زاہد کی میکشی کی
ہر وقت میکدے میں کعبہ میں کم گیا ہے

اظہار درد ہی تھا آنسو جو آگئے تھے
بالیں پہ جب وہ آیا تب میرا دم گیا ہے

بہتے ہوئے یہ آنسو رُکتے بھلا کہاں تھے
جذبات کا یہ طوفاں پلکوں پہ تھم گیا ہے

اک بار اس نے دیکھا ہم کو بشیر امجد
لگتا ہے دل کو ایسا جیسے بھرم گیا ہے۔



مقدر میں اب روشنی ہی کہاں ہے
جہاں بھی گیا میں اندھیرا وہاں ہے

ترے پیار میں جو بھی کھویا ہوا ہے
ہر اک فرد اس سے سدا بدگماں ہے

عجب کشمکش ہے عجب پیچ و خم ہے
ملے راہ سیدھی یہ ممکن کہاں ہے

ترے بعد دنیا میں اب کیا رہا ہے
اگر ہے تو مٹی ہی بس اک نشاں ہے

ہماری محبت کی شہرت تو دیکھو
زباں پر ہر اک کی یہی داستاں ہے

پتہ ڈھونڈنے جب گیا اس گلی تک
مکیں ہے نہ باقی نہ کوئی مکاں ہے

بس اک عزم ہے جس پہ زندہ ہے امجد
وگرنہ ہر اک سانس دردِ نہاں ہے

وعدے ان کے ہزار ہوتے ہیں
کب وہ الفت شعار ہوتے ہیں

تم کو احساس ہو تو بات بھی ہے
ہم تو تم پر نثار ہوتے ہیں

پارسائی تمہیں مبارک ہو
رند میں ہم شمار ہوتے ہیں

اشک بن کر وہ آنکھ سے ٹپکے
دل کے جو پہرہ دار ہوتے ہیں

جب بھی آتے ہیں قافلے غم کے
میرے دل کا قرار ہوتے ہیں

بس حقیقت یہی کام آتی ہے
ہم جو بے اختیار ہوتے ہیں

ان کو چھو لیں گے کس طرح امجد
گل کے پہلو میں خار ہوتے ہیں

○

محبت کی دنیا بسا دینے والے
نگاہیں ملا کر سزا دینے والے
مئے جام الفت پلا دینے والے
غم عاشقی کا مزہ دینے والے
وفاؤں کے بدلے جفا دینے والے
بھری انجمن سے اٹھا دینے والے
ذرا صبر کر لیتا جلدی ہی کیا تھی
سرِ دار مجھ کو چڑھا دینے والے
سمجھ کر نہ مجھ کو بلا تو ٹلا نا!
بلاؤں کو سر سے ٹلا دینے والے
ذرا میرے غم کا مداوا بھی کرنا
غم دو جہاں کو ہوا دینے والے
زمانے نے تجھ کو بھی پتھر بنایا
کسوٹی پہ سب کو لگا دینے والے
دعا کے بھروسہ پہ جیتے ہیں امجد - گئے ہیں کہاں وہ دعا دینے والے

○

تری آنکھوں کا نشہ ہے مرے پیمانے میں
جو بھی ہونا تھا، وہ بس ہو گیا انجانے میں

تری فیاضی کا شاید یہ اثر ہے ساقی
تشنہ لب دوڑ کے آنے لگے میخانے میں

کمسنی اور شرارت یہ تغافل کی قسم
عمر ساری تو کٹی ہے تجھے سمجھانے میں

تری دوری کی لگن آج تلک باقی ہے
چین آیا نہ مجھے اب کسی ویرانے میں

حسرتِ دید، غمِ دل، غمِ جاناں ہمدم
کتنے اوصاف چھپے ہیں ترے دیوانے میں

کب تلک غیر سے اظہارِ محبت ہوگا
فیصلہ کچھ تو کرو تم مجھے اپنانے میں

اتنی پر درد حکایت تو نہ تھی امجد کی
اہلِ دنیا نے بھرا رنگ اس افسانے میں

○

دردِ دل کچھ تو بڑھاتے جائیے
جاتے جاتے مسکراتے جائیے

کرب نے بے حال کر کے رکھ دیا
زخم پر مرہم لگاتے جائیے

گر سکونِ زندگی مقصود ہے
عہدِ رفتہ کو بھلاتے جائیے

کانچ کا گھر ہے رہے پیشِ نظر
سوچ کر پتھر لگاتے جائیے

میکدے کا پاس رکھنا ہے اگر
جام رندوں کو پلاتے جائیے

دشمنوں کا ذکر جانے دیجئے
دوستوں کو آزماتے جائیے

کامیابی دوڑ کر پاس آئے گی
غم میں امجدؔ مسکراتے جائیے



اس سے ملنے کا مجھے جب بھی خیال آتا ہے
دل میں درد اٹھتا ہے اور رنج و ملال آتا ہے

اس کے وعدے کی قسم آج وہ آئے گا ضرور
در کھلا رہنے دو، وہ ماہ جمال آتا ہے

نور کے ساتھ اندھیرا بھی لگا رہتا ہے
دوپہر ہوتے ہی سورج کو زوال آتا ہے

آشیاں کتنے جلائے ہیں ابھی تک اس نے
آج پھر کس لئے بجلی کو جلال آتا ہے

یہ مرا چاند ہے اس چاند کی کیا ہو تعریف
دیکھنے کو جسے چھپ چھپ کے ہلال آتا ہے

حسرت دید نے مجبور کیا ہے جب سے
اس کے دیدار کا رہ رہ کے خیال آتا ہے

جب بھی یاد اس کو ستاتی ہے ہماری امجد
غم میں ڈوبا ہوا وہ خود بھی نڈھال آتا ہے

○

حوصلہ مندی کو اپنی آزمانا چاہیئے
ہو سکے تو غیر کو اپنا بنانا چاہیئے

زندگی میں لاکھ طوفاں ہوں حوادث ہوں مگر
غم کے سائے میں ہمیشہ مسکرانا چاہیئے

جا تو سکتے ہیں مگر کس طرح جائینگے وہاں
اِن سے ملنے کے لئے کوئی بہانا چاہیئے

وقت کی تبدیلیوں نے کھو دیا سب کا بھرم
دوسروں سے پہلے خود کو آزمانا چاہیئے

انقلابوں نے کہاں پہنچا دیا انسان کو
اب تو خود کو بھی سمجھنے اک زمانہ چاہیئے

پیش آئے جو بھی آفت زندگی کی راہ میں
اپنے بس میں ہے اگر تو بھول جانا چاہیئے

ہے یہی امجد تقاضا وسعتِ اخلاق کا
اُس نے محفل میں بلایا ہے تو جانا چاہیئے



کوئی دِل کا مکین بن گیا ہے
ہر نفس آتشیں بن گیا ہے

اُس کا خط پا کے اس طرح خوش ہوں
اُس کا مِلنا یقین بن گیا ہے

جس کو چاہا ہے ہم نے دنیا میں
وہ حسیں سے حسین بن گیا ہے

کس کا نقشِ قدم ہے نہ جانے
میرا نقشِ جبیں بن گیا ہے

چین اب تو کچھ آئے گا امجد
کوئی دل کا، نگین بن گیا ہے

اشک کیوں اس قدر بہاتے ہیں
راز یہ ہم تمہیں بتاتے ہیں
جب بھی ہوتا ہے سامنا اُن کا
جانے کیوں ہونٹ تھرتھراتے ہیں
چاندنی رات پھر حسین موسم
آپ رہ رہ کے یاد آتے ہیں
تابشِ حُسن کا اثر ہے یہ
اب ستارے بھی ٹمٹماتے ہیں
رُعب ساقی نے کیا جمایا ہے
جام ہاتھوں میں کپکپاتے ہیں
میکشوں کا خلوص تو دیکھو
سب ہی پیتے ہیں اور پلاتے ہیں
کونسی عشق کی یہ منزل ہے
ہر قدم پر وہ یاد آتے ہیں
مصلحت یہ اُسی کی ہے امجدؔ
کتنے آتے ہیں کتنے جاتے ہیں

حالِ دل میں تجھے سُناتا ہوں
یاد پھر سے تجھے دلاتا ہوں
خود سے میں دور دور لگتا ہوں
اُن کو اپنے قریب پاتا ہوں
کیسے میں تُجھ کو بھُول سکتا ہوں
دل میں تُجھ کو سدا بساتا ہوں
زلزلے حادثے ہوں یا طوفاں
دل کے گوشے میں سب کو پاتا ہوں
ظلم سے تیرے ہو گیا بیزار
پیار کے پھر بھی گیت گاتا ہوں
ھائے مجبوریاں محبت کی
غم اٹھاتا ہوں، زخم کھاتا ہوں
یہ بھی تیرا کرم ہی ہے ساقی
بے پیئے میں جو لڑکھڑاتا ہوں
وہ تو دیتا رہا فریب امجد
جان کر میں فریب کھاتا ہوں

O

ترا پیار دل سے بھلایا نہ جائے
کسی اور سے دل لگایا نہ جائے

کچھ اس طرح اُس نے زباں بند کی ہے
کہ افسانہ دل کا سُنایا نہ جائے

میں آیا نہیں ہوں، بُلایا گیا ہے
بھری بزم سے یوں اُٹھایا نہ جائے

اِک اپنی خوشی اور بھلائی کی خاطر
کسی اور کا دل دُکھایا نہ جائے

اگر روشنی کی ضرورت ہے تم کو
پڑوسی کے گھر کو جلایا نہ جائے

اگر چاہتے ہو تم احسان کرنا
تو احسان کر کے جتایا نہ جائے

بھُلانا ہے اُس کو بھُلا دیجے امجد
نیا درد دل میں بسایا نہ جائے



دردِ دل کی داستاں کا ذکر کیا — پیار میں آہ و فغاں کا ذکر کیا

جس نے مڑ کر بھی نہ دیکھا آج تک — کیجئے اس مہرباں کا ذکر کیا

کارواں ملتا تو کوئی بات تھی — صرف گردِ کارواں کا ذکر کیا

بات کیجے اک نئی تعمیر کی — جلنے والے آشیاں کا ذکر کیا

عیش میں کیوں چھیڑتے ہو ذکرِ غم — موسمِ گل میں خزاں کا ذکر کیا

شہر سارا جل کے خاکستر ہوا — اپنے بوسیدہ مکاں کا ذکر کیا

جب تمہارا آستاں ہی چھٹ گیا — پھر کسی کے آستاں کا ذکر کیا

رُخ نہ بدلے جو مزاجِ یار کا — ایسے دردِ رائیگاں کا ذکر کیا

ظاہر و باطن ہمارا ایک ہے — اختلافاتِ جہاں کا ذکر کیا

دور ہی احمد یہ پُرآشوب ہے
آج کل امن و اماں کا ذکر کیا

○

جب بھی ملتے ہیں وہ بیتاب نظر آتے ہیں
اِک نہ اک سوچ میں غرقاب نظر آتے ہیں

عہدِ ماضی کی روایات کہاں ہیں باقی
اگلے وقتوں کے کچھ احباب نظر آتے ہیں

فکرِ روزی میں غریبوں کی سحر ہوتی ہے
اہلِ زر غرق مئے ناب نظر آتے ہیں

ہم نے طوفاں کو تباہی کا سبب سمجھا تھا
اب تو ساحل پہ بھی گرداب نظر آتے ہیں

انقلابات نے ہر چیز بدل دی لیکن
میکدے کے وہی آداب نظر آتے ہیں

تلخیاں، حادثے، آلام و مصائب، فتنے
زندگی کے یہی اسباب نظر آتے ہیں

دل کی تسکین کی صورت نہیں کوئی امجدؔ
گذری یادوں کے کبھی خواب نظر آتے ہیں